ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

19

www.tanzeem.org

7 تا 13 مئی 2013ء/26 جمادی الثانی تا 2 رجب المرجب 1434ھ

اس شمارے میں

ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ

نظریۂ پاکستان
علامہ اقبال اور قائداعظم کی نظر میں

سلطان شہاب الدین غوری

مروجہ سیاست اور تنظیم اسلامی

کیا عقل ودانش کا یہ تقاضا ہے؟

تنظیم اسلامی کی دعوتی وتربیتی سرگرمیاں

حضور اکرم ﷺ کی دعوتِ توحید اور اتحادِ انسانیت

اسلام جو کامل نظامِ زندگی ہے اس کی توحید کے ذریعے ہی حضور اکرم ﷺ نے اتحادِ انسانیت کی بنیاد رکھی۔ آپؐ نے تعلیم دی کہ سب انسان ایک خدا کے بندے ہونے کی حیثیت سے حدودِ بندگی میں برابر ہیں۔ نماز کے ذریعے آپؐ نے انسانیت کو نظم وضبط کی تعلیم دی۔ انہیں پاکیزگی، طہارت، پابندیٔ اوقات، ہر معاملے میں خدا ترسی اور دینداری سکھائی۔ زکوٰۃ وصدقات کے ذریعے آپؐ نے غریبوں، محتاجوں، مسکینوں اور بے سہارا انسانوں کے مسائل حل کیے۔ سرمایہ داری کا خاتمہ کیا۔ انسانوں میں غیر منصفانہ طبقاتی تقسیم کی بنیاد ختم کی۔ انسانوں کو جذبات صالحہ اور اعمال حسنہ کی بنیاد پر باہمی بھائی بھائی بنایا۔ تقسیم وراثت کے ذریعے اجتماعِ دولت کا راستہ بند کر کے گردش دولت کا راستہ کھول دیا، تاکہ محرومی اور نا یافتگی کوئی مستقل طبقاتی قدر نہ بن سکے۔ اسلام کے تصورِ رسالت اور عقیدۂ ختم نبوت نے انسانیت کے لیے ناگزیر کر دیا کہ آخری ہدایت کو پیش کرنے والی رسالت پوری اور جامع ہدایت پہنچائے۔ اس رسالت کے ذریعے علمی اور عملی پہلو سے دنیا پر حجت تمام کرنے میں کوئی کمی باقی نہ رہے۔ اس طرح ختم نبوت نے وحدت قیادت کا بھی سبق دیا۔ آپؐ کے نظامِ اخوت نے مسلمانوں کو بنیان مرصوص بنا دیا۔ رسول ﷺ کی غیر مشروط اطاعت نے وحدت عمل وحرکت واقدام کا درس دیا اور تحریک کو تیز تر کرنے کا سامان فراہم کیا۔ آخرت میں مسئولیت کے احساس نے ذمہ داری اور جوابدہی کی قوت ابھار دی۔ جرأت فیصلہ نے مواقع سے فائدہ اٹھانے اور صحیح نتائج نکالنے کا راستہ بتایا اور آپؐ کے بروقت اقدامات نے باطل کے لیے شکست مقدر کر دی۔ اس طرح ایک تدریجی ارتقا کے تحت باطل مٹتا گیا اور حق غالب آتا چلا گیا۔

رسول اکرم ﷺ کی حکمت انقلاب

سید اسعد گیلانی

الہدیٰ (561)

سورۃ الرعد

(آیات: 18 تا 23)

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ۭ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ سُوْۗءُ الْحِسَابِ ڏ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ۧ اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ۭ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ۙ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۝ۙ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْۗءَ الْحِسَابِ ۝ۭ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَاۗءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۝ۙ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَاۗىِٕهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰــتِهِمْ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ۚ

آیت 18 ﴿لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ۭ﴾ ’’جن لوگوں نے اپنے رب کی دعوت پر لبیک کہا ان کے لیے بھلائی ہے۔‘‘

﴿وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ۭ﴾ ’’اور جنہوں نے اُس کی دعوت کو قبول نہیں کیا‘ اگر ان کے پاس ہو جو کچھ ہے زمین میں سب کا سب اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور بھی تو وہ (یہ سب کچھ) ضرور بدلے میں دے ڈالیں۔‘‘

﴿اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ سُوْۗءُ الْحِسَابِ ڏ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝﴾ ’’یہی لوگ ہیں جن کے لیے بُرا حساب ہے اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے‘ اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔‘‘

یعنی ان کے حساب کا جو نتیجہ نکلنے والا ہے وہ ان کے حق میں بہت برا ہو گا۔

آیت 19 ﴿اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ۭ﴾ ’’(اے نبیﷺ!) کیا وہ شخص جو جانتا ہے کہ جو کچھ آپ پر آپ کے ربّ کی طرف سے نازل کیا گیا وہ حق ہے‘ بھلا اُس جیسا ہو سکتا ہے جو اندھا ہے؟‘‘

﴿اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝﴾ ’’یقیناً نصیحت تو عقل والے ہی حاصل کرتے ہیں۔‘‘

آیت 20 ﴿الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۝﴾ ’’وہ لوگ جو اللہ کے (ساتھ کیے گئے) عہد کو پورا کرتے ہیں اور قول و قرار کو توڑتے نہیں ہیں۔‘‘

قبل ازیں سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۷۷ میں بھی ہم ان سے ملتے جلتے یہ الفاظ پڑھ آئے ہیں: ﴿وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ﴾۔ اللہ کے ساتھ کیے گئے معاہدوں میں سے ایک تو وہ عہد الست ہے (بحوالہ الاعراف: ۱۷۲) جو ہم نے عالم ارواح میں اللہ کے ساتھ کیا ہے‘ پھر ہر بندۂ مؤمن کا میثاق شریعت ہے کہ میں اللہ کے تمام احکامات کی تعمیل کروں گا۔ پھر اللہ کا مؤمن کے ساتھ کیا گیا وہ سودا بھی ایک عہد ہے جس کا ذکر سورۃ التوبہ‘ آیت ۱۱۱ میں ہے اور جس کے مطابق اللہ نے مؤمنین کے جان و مال جنت کے بدلے خرید لیے ہیں۔ آیت زیر نظر میں یہ ان خوش قسمت لوگوں کا ذکر ہے جو اللہ کے ساتھ کیے گئے تمام عہد درجہ بدرجہ پورے کرتے ہیں۔

آیت 21 ﴿وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْۗءَ الْحِسَابِ ۝﴾ ’’اور جو لوگ جوڑتے ہیں اُس کو جس کو جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے‘ اور جوڑ رہتے ہیں اپنے رب سے اور اندیشہ رکھتے ہیں بُرے حساب کا۔‘‘

وہ لوگ قرابت کے رشتوں کو جوڑتے ہیں‘ یعنی صلۂ رحمی کرتے ہیں اور حسابِ آخرت کے نتائج کی برائی سے ہمیشہ خوفزدہ رہتے ہیں کہ اس دن حساب کے نتائج منفی ہونے کی صورت میں کہیں ہماری شامت نہ آ جائے۔

آیت 22 ﴿وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَاۗءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً﴾ ’’اور وہ لوگ جنہوں نے صبر کیا اپنے رب کی رضا جوئی کے لیے‘ اور نماز قائم کی‘ اور خرچ کیا اس میں سے جو ہم نے انہیں دیا تھا پوشیدہ طور پر بھی اور علانیہ بھی‘‘

﴿وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۝﴾ ’’اور وہ بھلائی سے برائی کو دور کرتے ہیں‘ یہی لوگ ہیں جن کے لیے دارِ آخرت کی کامیابی ہے۔‘‘

وہ برائی کا جواب برائی سے نہیں دیتے‘ بلکہ کوئی شخص اگر ان کے ساتھ برائی کرتا ہے تو وہ جواباً اس کے ساتھ بھلائی سے پیش آتے ہیں تا کہ اس کے اندر اگر نیکی کا جذبہ موجود ہے تو وہ جاگ جائے۔ (اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْھُمْ!)

آیت 23 ﴿جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَاۗىِٕهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰــتِهِمْ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝﴾ ’’(آخرت کا گھر) وہ باغات ہیں ہمیشہ رہنے کے‘ جن میں وہ داخل ہوں گے اور جو بھی صالح ہوں گے ان کے آباء‘ ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے‘ اور ہر دروازے سے جنت کے فرشتے ان کے سامنے حاضر ہوں گے۔‘‘

تا خلافت کی بنا، دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تنظیم اسلامی کا ترجمان نظامِ خلافت کا نقیب

ہفت روزہ
لاہور

ندائے خلافت

بانی: اقتدار احمد مرحوم

7 تا 13 مئی 2013ء　جلد 22
26 جمادی الثانی تا 2 رجب المرجب 1434ھ　شمارہ 19

مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
مدیر: ایوب بیگ مرزا
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: محمد سعید اسعد، طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور-54000
فون: 36316638-36366638 فیکس: 36313131
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور-54700
فون: 35869501-03 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 12 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک...... 450 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا---------------(2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ
ایوب بیگ مرزا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ

"جس روز آسمان پگھلی ہوئی چاندی کی طرح ہو جائے گا اور پہاڑ رنگ برنگ کے دھنکے ہوئے اون جیسے ہو جائیں گے اور کوئی جگری دوست اپنے جگری دوست کو نہ پوچھے گا، حالانکہ وہ ایک دوسرے کو دکھائے جائیں گے۔ مجرم چاہے گا کہ اس دن کے عذاب سے بچنے کے لیے اپنی اولاد کو، اپنی بیوی کو، اپنے بھائی کو، اپنے قریب ترین خاندان کو جو اسے پناہ دینے والا تھا اور روئے زمین کے سب لوگوں کو فدیہ میں دے دے اور یہ تدبیر اسے نجات دلا دے۔ ہرگز نہیں وہ تو بھڑکتی ہوئی آگ کی لپٹ ہو گی جو گوشت پوست کو چاٹ جائے گی۔ پکار پکار کر بلائے گی ہر اس شخص کو جس نے حق سے منہ موڑا اور پیٹھ پھیری اور مال جمع کیا اور سنبھال سنبھال کر رکھا۔"

سورۃ المعارج کی آیات 8 تا 18 تک کا بغور مطالعہ کیجیے اور وطن عزیز میں چلنے والی انتخابی مہم کا جائزہ لیں، ایک دیوانگی طاری ہے۔ ایک طرف نون دوسری طرف جنون، پھر تیروں کی بارش بھی ہو رہی ہے اور دیار غیر سے پاکستان کی فضاؤں میں پتنگ بھی بلند کی جا رہی ہے۔ یہ سب لوگ واضح طور پر اور کھلم کھلا اقتدار کے خواہش مند ہیں۔ یہ لوگ اس فانی اور عارضی دنیا میں بھی ایک قلیل اور معین عرصے کے لیے اقتدار اور قوت کے حصول کے لیے اپنا تن من دھن کھپا رہے ہیں۔ وہ 11 مئی کے بارے میں کہہ رہے ہیں: ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ!

ہماری تو ان کے لیے بھی یہ دعا ہے کہ کاش یہ جذبہ، یہ جنون اور اپنا تن من دھن جھونک دینا انتخاب کے لیے نہیں، انقلاب کے لیے ہوتا۔ اس لیے کہ کسی اور ملک کی ہم فی الحال بات نہیں کرتے، پاکستان کے بارے میں اگر کوئی دعویٰ کرتا ہے کہ اس کی تقدیر انتخابات سے بدل جائے گی تو آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر اس سے بڑا جھوٹا کوئی نہیں ہے۔ یہ بات ہم سینکڑوں بار قارئین کے سامنے رکھ چکے ہیں اور دلائل سے کہہ چکے ہیں۔ ایک بار پھر صرف اتنا عرض کیے دیتے ہیں کہ پاکستان میں اسلام کا نظامِ عدل اجتماعی انقلاب سے آئے گا۔ حالات و واقعات سے علم الیقین کی کیفیت پیدا ہوئی۔ اب تاریخ کے آئینہ نے اسے عین الیقین میں بدل دیا۔ بہرحال پاکستان کی دائیں بازو کی جماعتیں خصوصاً پرانی جماعتیں اس حوالہ سے یکسوئی اختیار کر چکی ہیں۔ انہوں نے اپنے ماتھے سے اسلام پسندی کا ٹھپہ مٹا دیا ہے اور وہ اپنی مہم میں اسلام کا تکلفاً بھی نام نہیں لے رہے۔

لہٰذا ہم ایک بار پھر ان سے مخاطب ہیں جن سے ہماری نظریاتی ہم آہنگی ہے، جو پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ کی صدا لگانے میں ہماری آواز کے ساتھ اپنی آواز ملاتے ہیں۔ ہمیں افسوس اور تشویش اس بات کی ہے کہ وہ بھی انتخابی میدان میں ترازو نصب کرنے کے لیے کوشاں ہیں اور کتاب مقدس پر لوگوں سے مہر لگوانا چاہتے ہیں۔ مذہبی سیاسی جماعتیں میدان میں شاید اتنے امیدوار بھی نہیں اتار سکیں کہ اگر سب کے سب کامیاب ہو جائیں تو بھی آپ الکتاب کی بالادستی قائم کر سکیں اور اس ظلم کدے میں ترازو نصب کر سکیں۔ پھر یہ کہنا خود فریبی نہیں تو کیا ہے کہ برسر اقتدار آ کر اسلامی نظام کا نفاذ کریں گے اور پاکستان کو اسلام کا قلعہ بنا دیں گے اور دائیں بازو کی وہ جماعتیں جنہوں نے امریکہ اینڈ کمپنی کے خوف سے آپ سے سیٹ ایڈجسٹمنٹ نہیں کی وہ اسمبلی میں شریعت محمدیہ ؐ کے نفاذ میں آپ سے تعاون کریں گی؟ 2003ء کے انتخابات کے نتیجے میں دینی جماعتوں کے اتحاد متحدہ مجلس عمل کو قومی اسمبلی میں ملکی تاریخ میں سب سے زیادہ نشستیں ملی تھیں۔ ساری اسلامی جماعتیں اسمبلی میں موجود تھیں مگر ان کی موجودگی میں قومی اسمبلی نے حقوق نسواں بل منظور کیا۔ سب سیاسی اور غیر سیاسی علماء نے اسے خلاف شریعت قرار دیا، لیکن وہ پھر بھی منظور کر لیا گیا اور آپ منہ تکتے رہ گئے۔ اس پر حکومت کے خلاف تحریک چلانے کی بات تو دور کی ہے آپ نے اسمبلی کی نشستوں سے استعفا تک نہیں دیا بلکہ اسی اسمبلی کا حصہ رہے جس نے شریعت کا منہ چڑایا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ دین کا کام کرنے والوں کو محض اقتدار کا متمنی نہیں ہونا چاہیے لیکن اب تو اس راہ سے اقتدار بھی نصیب ہوتا نظر نہیں آتا۔ ہاں البتہ انہیں اگر حکومت سازی کے لیے

آپ کے تعاون کی ضرورت محسوس ہوئی تو ایک آدھ وزارت کے عوض آپ کو استعمال کر لیا جائے گا اور پھر انتخاب کے دوران لگائے جانے والے اسلامی نظام کے دعوے دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔ دینی جماعتوں سے ہماری بار بار کی اس درخواست پر کہ انتخابی راستے کو ترک کریں اور اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے انقلابی منہج کو اختیار کریں، ایک اسلامی جماعت کے بزرگ نے برہمی سے کہا کہ اگر ہم انتخاب کے راستے سے اسلام کی منزل کو سر نہیں کر سکے تو آپ نے انقلابی راستے کو اختیار کر کے اسلام کے حوالے سے کون سا تیر مار لیا ہے۔ بزرگوں کی قدر و منزلت کو تسلیم کرنا اور ان کا ادب و احترام ہماری تربیت کا لازمی حصہ ہے۔ لہٰذا بصد ادب عرض ہے کہ جس طرح آپ نے انتخابات کے لیے یا بحالیٔ جمہوریت کے لیے کئی بار اتحاد بنائے، خدا کے لئے ایک مرتبہ خالصتاً نفاذِ شریعت اور اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی کے قیام کی خاطر اسلامی جماعتوں کا اتحاد بنائیں بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر ایک دوسرے میں ضم ہو جائیں، ایک امیر کے ہاتھ پر بیعت کریں اور تحریک چلائیں۔ ان شاء اللہ کامیابی آپ کے قدم چومے گی۔ جس طرح ماضی میں متحد ہو کر تحریک چلانے سے آپ نے قادیانیوں کو اسلام سے خارج کروایا۔ جس طرح متحد ہو کر آپ نے آئین کی دفعہ 295/C کے خلاف ملحدوں، سیکولروں اور امریکی ایجنٹوں کی سازشوں کو ناکام بنایا اور ناموس رسالت پر آنچ نہ آنے دی۔ حالانکہ وقت کی حکومت پر امریکہ ہی نہیں تمام مغربی دنیا کا زبردست دباؤ تھا۔ ہمارے نظریاتی بھائیو! حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے دین کی اقامت کے لیے اگر ہم راستہ درست اختیار کریں گے اور ہماری سمت درست ہو گی تو کسی ناکامی کا سوال نہیں ہے۔ دنیا میں کوئی نتیجہ نہ بھی نکلے، اخروی کامیابی تو کہیں نہیں گئی۔ انتخابی میدان میں تو ہم جنگ کا آغاز ہی شکست کے اعتراف کے ساتھ کرتے ہیں۔ ہم آج تک مطلوبہ تعداد میں امیدوار ہی نہیں میدان میں اتار سکے کہ اسلامی حکومت کے قیام کا کوئی سوال پیدا ہو۔ جبکہ انقلاب کی تاریخ گواہی دیتی ہے کہ پرعزم، مخلص اور یقینِ محکم سے سرشار اقلیت جب کفن باندھ کر اور سر ہتھیلی پر رکھ کر میدان میں نکلتی ہے تو اکثریت بے بس ہو جاتی ہے۔

آخری بات یہ کہ ان انتخابات میں جس بے دردی سے اور بے حسی سے اس غریب ملک کا سرمایہ لٹایا جا رہا ہے اس پر ہر دردمند پاکستانی بلبلا اٹھا ہے۔ خزانہ خالی ہے، بجلی کی کمپنیوں کو ادائیگی نہیں ہو رہی، جس کی وجہ سے قوم اندھیروں میں ڈوبی ہے۔ ہر روز اشیاءِ ضرورت کی گرانی ہو رہی ہے۔ عوام کا جینا ہی نہیں مرنا بھی دوبھر ہو چکا ہے۔ ہمارے مستقبل کے حکمران اس ضرب المثل کو بھی تہس نہس کر چکے ہیں کہ روپیہ پانی کی طرح بہایا جا رہا ہے۔ اس لیے کہ یقیناً غریب پانی بھی اسی طرح نہیں بہا سکتا۔ ہمارے سیاست دان حقیقت میں سرمایہ کار ہیں اور وہ اپنی لوٹ کھسوٹ کے لیے سرمایہ کاری کر رہے ہیں۔ حکومت میں آ کر عوام کا خون نچوڑ کر سب کچھ مع سود وصول کریں گے۔ ہم ان سیاست دانوں کی خدمت میں عرض گزار ہیں کہ وہ آفاق میں ہر سو پھیلی ہوئی اللہ کی نشانیوں کو دیکھیں، کتاب اللہ کو سر کی آنکھوں سے ہی نہیں دل کی نگاہوں سے بھی پڑھیں اور سیرتِ محمدی علی صاحبھا الصلوٰۃ والسلام پر نگاہ ڈالیں، اور کچھ نہیں تو انتہائی غیر جانبداری اور دیانت داری سے خود ہی کو ٹٹولیں اور بتائیں کہ حقیقی فیصلے کا دن 11 مئی ہے یا سورۃ المعارج میں بیان کردہ وہ دن جب لوٹ آنے کی گنجائش باقی نہیں رہے گی، جب معافی تلافی کا وقت گزر چکا ہو گا۔ آئیے، وقت کا دامن تھام لیتے ہیں۔ ابھی اسی وقت فیصلہ کرتے ہیں کہ ہمارا جینا اور مرنا اسلام کے لیے ہو گا۔ اسی میں دائمی عافیت ہے۔ دولت اور اقتدار ہر چیز کا علاج نہیں۔ اللہ اور رسول ﷺ کا دامن تھامنے سے دنیا اور آخرت سنورے گی۔ کتنے فرعون، نمرود اور ہٹلر ہم نے ذلت سے مرتے دیکھے ہیں۔ پرویز کا تعلق فارس سے ہو یا پاکستان سے، ہم نے دنیا میں بھی ذلیل و رسوا ہوتے دیکھا ہے۔ اللہ کے باغیوں کا ہر دن ہار کا دن ہے، شکست کا دن ہے جبکہ اللہ کے بندوں کی ہار بھی جیت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اُس روز جیتنے والوں کی صف میں کھڑا کرے۔ حقیقت میں اِس دن کو سورۂ تغابن میں یوم التغابن قرار دیا گیا ہے۔

☆☆☆☆☆

پریس ریلیز 3 مئی 2013ء **حافظ عاکف سعید**

انتخابات کے بعد بھی کسی بنیادی تبدیلی کی کوئی توقع نہیں

اسلام اور پاکستان کو جدا نہیں کیا جا سکتا۔ اگر پاکستان میں اسلامی نظام نافذ نہ ہوا تو پاکستان کی بقا اور سالمیت شدید خطرہ سے دوچار ہو جائے گی

انتخابات کے بعد بھی کسی بنیادی تبدیلی کی کوئی توقع نہیں۔ یہ بات تنظیم اسلامی کے امیر حافظ عاکف سعید نے قرآن اکیڈمی لاہور میں خطبہ جمعہ کے دوران کہی۔ اُنہوں نے کہا کہ بحیثیت قوم ہماری یادداشت بہت کمزور ہے۔ ہم ہر نئے حکمران سے اچھی توقعات باندھ لیتے ہیں جس سے بعد میں بڑی مایوسی پیدا ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ پرویز مشرف کو بھی ایک نجات دہندہ سمجھا گیا اور اُس کے احتساب اور گڈ گورننس کے نعروں کو بڑی پذیرائی ملی۔ عمران خان نے بھی اُس کی حمایت کی۔ اُنہوں نے اپنا سات نکاتی ایجنڈا پیش کیا جسے بہت سراہا گیا۔ لیکن جو کچھ پرویز مشرف نے اِس قوم کے ساتھ کیا وہ ایک المناک کہانی ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ ہمارے تمام مسائل کا حل اسلامی نظام کے نفاذ میں مضمر ہے۔ اسلام اور پاکستان کو جدا نہیں کیا جا سکتا۔ اگر پاکستان میں اسلامی نظام نافذ نہ ہوا تو پاکستان کی بقا اور سالمیت شدید خطرہ سے دوچار ہو جائے گی، حقیقت یہ ہے کہ پاکستان اپنی وجہ جواز ہی کھو دے گا۔ اُنہوں نے کہا کہ دنیا کے بہت سے مسلم ممالک نے آزادی حاصل کی لیکن پاکستان واحد ملک تھا جو خالصتاً اسلام کے نام پر وجود میں آیا۔ پاکستان ایک نظریاتی ملک ہے۔ اس لئے اِس کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت بھی اُتنی ہی ضروری اور لازم ہے جتنی جغرافیائی سرحدوں کی۔ اُنہوں نے اِس امر پر افسوس کا اظہار کیا کہ سیکولر عناصر پاکستان کی نظریاتی بنیادوں کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

(جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر و اشاعت تنظیم اسلامی پاکستان)

نظریۂ پاکستان

علامہ اقبال اور قائداعظم کی نگاہ میں

مسجد جامع القرآن قرآن اکیڈمی لاہور میں مرکزی ناظم تعلیم و تربیت انجینئر حافظ نوید احمد کے 26 اپریل 2013ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

(سورۃ الواقعہ کے آخری رکوع کی تلاوت اور خطبۂ مسنونہ کے بعد)

محترم حضرات! آج ہمارا موضوع گفتگو نظریۂ پاکستان کی حقیقت ہے۔ یہ موضوع حال ہی میں ایک مرتبہ پھر زیر بحث آیا ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ ریٹرننگ آفیسر نے چکوال سے قومی اسمبلی کے ایک امیدوار ایاز میر کے کاغذات نامزدگی مسترد کر دیئے اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ امیدوار شراب پیتا ہے اور اس کا اعتراف وہ اپنے کالموں میں کر چکا ہے۔ ایاز میر کا کہنا تھا کہ میں نے اپنے بعض کالموں میں نظریۂ پاکستان سے اختلاف کیا ہے، جس کی وجہ سے میرے کاغذات نامزدگی منظور نہیں ہوئے۔ اس پر سیکولر عناصر نے شور مچانا شروع کر دیا، اور یہ پروپیگنڈا کرنے لگے کہ نظریۂ پاکستان کی اصطلاح کا تحریک پاکستان کے زمانے سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ بہت بعد میں گھڑی گئی ہے۔ یہ اصطلاح سن 70ء سے پہلے تھی ہی نہیں۔ 1970ء میں جنرل یحییٰ خان کی حکومت مارشل لاء کی صورت میں آئی، تو ان کے وزیر جنرل شیر علی نے پہلی مرتبہ نظریۂ پاکستان کی اصطلاح استعمال کی۔ اس پروپیگنڈا سے نوجوانوں میں نظریۂ پاکستان کے حوالے سے ایک انتشار پیدا ہو رہا ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ اس انتشار کو دور کرنے کی کوشش کی جائے۔

نظریۂ پاکستان کیا تھا؟ اس حوالے سے گفتگو ہم ایک ایسے نکتے سے شروع کریں گے جو تقریباً سب کے نزدیک مسلم ہے۔ جب تحریک پاکستان چلی تو اس کے دو مرکزی قائدین تھے۔ فکری قائد علامہ اقبال تھے اور عملی قائد بیرسٹر محمد علی جناح تھے، جو قائداعظم کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان دو قائدین نے تحریک پاکستان میں قائدانہ کردار ادا کیا۔ ان قائدین کے پاکستان کے قیام کے حوالے سے کیا تصورات تھے، وہ ہمارے سامنے ہونے چاہئیں۔

جہاں تک علامہ اقبال کا تعلق ہے، فکری حوالے سے ان کی شخصیت کے تین دور ہیں۔ پہلا دور 1899ء سے لے کر 1905ء کے چند سالوں کو محیط ہے۔ اس دور میں وہ ایک عام شاعر کی حیثیت سے منظر عام پر آئے، اور ان کی شاعری میں کوئی زیادہ اونچا مقصد نہیں تھا۔ اس دور میں اُن کے ہاں بھی وطنیت کی سطحی سوچ ملتی ہے۔ ترانہ ہندی کا یہ شعر

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا

اسی سوچ کا مظہر ہے۔ 1905ء میں علامہ اقبال اعلیٰ تعلیم کے لئے یورپ گئے، اور وہاں 1908ء تک مقیم رہے۔ یہ عرصہ فکری حوالے سے اُن کی زندگی کا دوسرا دور ہے۔ اس دور میں اُن کی سوچ میں تبدیلی آئی۔ یورپ میں انہوں نے مغربی تہذیب کا براہِ راست مشاہدہ کیا، اہل مغرب کے تصورات کو پڑھا، ان کے کلچر کو دیکھا، جس سے اُن پر مغربی تہذیب کی خرابیاں اور دوغلا پن واضح ہوا۔ اقبال جب وہاں سے واپس آئے تو وہ تبدیل ہو چکے تھے۔ یورپ سے واپسی کے بعد 1908ء سے لے کر 1938ء تک 30 سالہ دور اقبال کی زندگی کا آخری اور سب سے اہم دور ہے۔ جس میں وہ بقول ڈاکٹر اسرار احمدؒ ترجمان القرآن دکھائی دیتے ہیں۔ اُس دور میں انہوں نے مسلمانانِ ہند کے سامنے قرآن مجید کے پیغام کو اپنی شاعری کی صورت میں پیش کیا۔ اس حوالے سے انہوں نے ایک دعویٰ بھی کیا ہے۔

گر دلم آئینۂ بے جوہر است
ور بحرفم غیر قرآں مضمر است
پردۂ ناموسِ فکرم چاک کن
ایں خیاباں را ز خارم پاک کن
روزِ محشر خوار و رسوا کن مرا!
بے نصیب از بوسۂ پا کن مرا!

یعنی ”اے اللہ کے رسولؐ اگر میرا دل ایک ایسے آئینے کی مانند ہے جس میں کوئی خوبی نہیں ہے، اور اگر میرے دل میں قرآن کے سوا کچھ اور ہے تو اے نبی ﷺ آپ میرے فکر کے پردے تار تار کر دیجئے اور اس گلستان کو مجھ جیسے کانٹے سے صاف کر دیجئے اور روز محشر مجھے رسوا کر دیجئے اور مجھے اپنے مبارک قدموں کا بوسہ لینے سے محروم کر دیجئے گا۔“

اقبال نے اپنی حیات کے اس آخری دور میں اپنی شاعری کے ذریعے مسلمانوں کو مایوسی کے اندھیروں سے نکالا اور یہ امید دلائی کہ

شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے !
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے !

انہوں نے مغربی تہذیب کو یہ کہہ کر چیلنج کیا کہ۔

دیارِ مغرب کے رہنے والو! خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو، وہ اب زرِ کم عیار ہو گا
تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا، ناپائیدار ہو گا

علامہ اقبال نے انڈین نیشنل کانگریس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر وطنی قومیت کے فلسفے کو رد کیا، اور

مسلمانوں کو وطنی قومیت کی تباہ کاریوں سے بچانے کے لئے دین ومذہب کی بنیاد پر قومیت کی تشکیل کا درس دیا۔ اقبال نے اُن پر واضح کیا کہ

اپنی ملّت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ

اور

ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

انہوں نے وطنی قومیت کے تصور کی کھل کر مذمت کی اور مسلم قوم کو پر واضح کیا کہ مروجہ تصور وملت کے تحت وطن کے تصور کو اس قدر تقدس کا درجہ دے دیا گیا ہے کہ گویا وہ خدا ہو۔ اُن کا شعر ہے۔

اِن تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ”قومیت کا اسلامی تصور دوسری اقوام سے بالکل مختلف ہے، ہماری قومیت کا اصل اُصول نہ اشتراکِ زبان ہے، نہ اشتراکِ وطن، نہ اشتراکِ اغراض اِقتصادی۔ بلکہ، ہم لوگ اس برادری میں، جو جناب رسالتمآب ﷺ نے قائم فرمائی تھی، اس لیے شریک ہیں کہ مظاہر کائنات کے متعلق، ہم سب کے معتقدات کا سرچشمہ ایک ہے۔ جو تاریخی روایات ہم سب کو ترکہ میں پہنچی ہیں وہ بھی سب کے لیے یکساں ہیں۔ اسلام تمام مادی قیود سے بیزاری ظاہر کرتا ہے، اور اُس کی قومیت کا دارومدار ایک خاص تنزیہی تصور پر ہے، جس کی تجسیمی شکل وہ جماعت اشخاص ہے جس میں بڑھتے اور پھیلتے رہنے کی قابلیت طبعاً موجود ہے۔ اسلام کی زندگی کا انحصار کسی خاص قوم کے خصائل مخصوصہ اور شمائل مختصہ پر نہیں۔ غرض اسلام زمان ومکان کی قیود سے مبرا و آزاد ہے۔“

اقبال کو ہم نے تحریک پاکستان کا پہلا قائد کہا ہے اس لئے کہ انہوں نے سب سے پہلے پاکستان کی بشارت دی۔ 1930ء میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ الٰہ آباد میں انہوں نے جو صدارتی خطبہ ارشاد فرمایا، اُس میں انہوں نے کہا:

"I would like to see the Punjab, the North-West Frontier Province, Sindh and Baluchistan amalgamated into a single state. Self-government within the British Empire or without the British Empire. The formation of a consolidated North West-Indian Muslim State appears to me to be the final destiny of the Muslims, at least of North-West India."

”میں پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان کو ایک متحدہ ریاست کی شکل میں دیکھنا چاہتا ہوں، جس کی اپنی حکومت ہو، خواہ سلطنت برطانیہ کے تحت یا اس سے الگ۔ اور مجھے نظر آ رہا ہے کہ یہ متحدہ شمال مغربی مسلم ریاست کم از کم شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے تقدیر مبرم ہے (یعنی اِن علاقوں میں ایک مسلم سٹیٹ وجود میں آ کر رہے گی)“

آگے فرماتے ہیں:

"I therefore demand the formation of a consolidated Muslim State in the best interests of India and Islam."

”لہٰذا میں ہندوستان اور اسلام کے بہترین مفاد میں ایک الگ مسلم ریاست کے بنانے کا مطالبہ کرتا ہوں۔“

اس کے بعد فرمایا:

"For Islam (it will be) an opportunity to rid itself of the stamp that Arabian Imperialism was forced to give it, to mobilize its laws, its education, its culture and to bring them into closer contact with its own original spirit and with the spirit of the modern times."

”اسلام کے لئے یہ ایک موقع ہوگا کہ عرب ملوکیت کے تحت اس پر جو پردے پڑ گئے تھے، ان سے چھٹکارا حاصل کر سکے اور اپنے قوانین، تعلیمات، اور ثقافت کو اپنی اصل روح کے ساتھ روحِ عصر سے ہم آہنگ کر سکے۔“

اقبال نے اس امید کا اظہار کیا کہ اگر ہندوستان کے شمال مغربی حصے میں مسلم سٹیٹ وجود میں آ گئی تو ہمارے لئے یہ موقع ہوگا ہم اسلام پر جو بھی پردے عرب ملوکیت کے دور کے پڑ گئے تھے انہیں ہٹا کر اسلام کو اس کی صحیح روح کے ساتھ اور جدید دور کے تقاضوں کے ساتھ ہم آہنگ کر کے دنیا کے سامنے ایک مثالی اسلامی فلاحی ریاست کا نمونہ پیش کریں۔ تو یہ ہے نظریۂ پاکستان مفکر و مبشر و مصور پاکستان علامہ اقبال کی نظر میں۔

اب آیئے، یہ دیکھیں کہ تحریک پاکستان کے عملی قائد قائداعظم کی نظر میں نظریۂ پاکستان کیا تھا قائداعظم کا خاندانی و دینی پس منظر علامہ اقبال کے مقابلے میں مختلف تھا۔ علامہ اقبال کو بچپن ہی سے اپنے گھر سے ایک دینی ماحول ملا تھا۔ اُن کے والد محترم بھی دیندار تھے۔ اس کے برعکس قائداعظم کو گھر سے دینی ماحول نہیں ملا۔ ان کے والد پونجا جناح تاجر تھے اور چمڑے کا کاروبار کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قائداعظم کی ابتدائی دور میں سوچ مسلمانوں کے لئے الگ وطن کے حصول اور ایک اسلامی ریاست کے قیام کی نہ تھی۔ چنانچہ جب وہ انگلینڈ سے بیرسٹری کا امتحان پاس کر کے کراچی واپس آئے اور تھوڑے ہی عرصے بعد وہاں سے ممبئی گئے تو مسلم لیگ میں شامل نہ ہوئے بلکہ کانگریس کی رکنیت اختیار کی۔ بعد میں اگرچہ مولانا محمد علی جوہرؒ کی پُر زور دعوت پر وہ مسلم لیگ میں شامل ہو گئے، لیکن 1928ء تک ان کی پوری کوشش یہی تھی کہ کسی نہ کسی طریقے سے ہندوستان میں ایک پائیدار ہندو مسلم اتحاد وجود میں آ جائے۔ گویا اُس وقت تک وہ ہندو مسلم اتحاد کے سفیر تھے۔ لیکن جب تحریک خلافت یہاں ناکام ہو گئی، اور مسلمانوں پر شدید مایوسی کی کیفیت طاری ہوئی اور ایسے میں ہندوؤں کے ہاں شدھی اور سنگھٹن کی انتہا پسندانہ تحریکیں اٹھیں اور مسلمانوں کو شدھی کرنے کی کوششیں ہوئیں تو قائداعظم نے کانگریسی لیڈروں کے ہاں بھی ہندو تعصب کو محسوس کیا۔ قائداعظم اس صورتحال سے مایوس ہو کر 1930ء میں انگلینڈ چلے گئے۔ 1932ء میں علامہ اقبال برطانیہ گئے تو انہوں نے محمد علی جناح سے طویل ملاقاتیں کیں، اور ان کو اِس پر آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ ہندوستان واپس آئیں، مسلم لیگ کی قیادت سنبھالیں اور یہاں پر احیائے اسلام کے لئے ایک تحریک چلائیں۔ چودھری رحمت علی نے بھی اس حوالے سے قائداعظم کو قائل کرنے کی کوشش کی۔ اِن دو کوششوں سے قطع نظر وہ اصل محرک جس نے قائد کو ہندوستان واپس آنے پر آمادہ کیا، وہ نبی اکرم ﷺ کا حکم تھا، جو آپؐ نے محمد علی جناح کو ایک خواب میں دیا تھا۔ قائداعظم کو خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت کی سعادت حاصل ہوئی تو آپؐ نے انہیں حکم دیا کہ ہندوستان جاؤ اور مسلمانوں کی قیادت سنبھالو۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کے حکم کی تعمیل میں محمد علی جناح 1934ء میں واپس ہندوستان آئے۔ یہاں مسلم لیگ نے ان کو تاحیات اپنا صدر بنا دیا۔ چودھری رحمت علی اور مولانا ظفر علی خان کی موجودگی میں انہوں نے پریس کانفرنس کی اور یہ اعلان کیا کہ میں جواب ہندوستان آیا ہوں تو میرے آنے کا مقصد مسلمانوں کے لئے ایک ایسی ریاست کا حصول ہے جس کی بنیاد لا الٰہ الا اللہ ہو۔ حیرت ہوتی ہے کہ قائداعظم میں 4 سال میں اتنی بڑی تبدیلی کیسے آ گئی۔ اس سے پہلے قائداعظم نے کبھی

اسلام کا نام نہیں لیا تھا۔ لیکن اب آ کر واشگاف الفاظ میں اسلام اور اسلامی ریاست کی بات کہنے لگے۔ جس خواب نے قائداعظم کو ہندوستان آنے پر آمادہ کیا، اُس کا ذکر انہوں نے علامہ شبیر احمد عثمانیؒ سے کیا تھا۔ بقول ان کے جب میں پاکستان آیا تو ایک خواب کی وجہ سے آیا ہوں۔ مجھے خواب میں نبی اکرم ﷺ نے حکم دیا تھا کہ محمد علی جناح ہندوستان جاؤ اور مسلمانوں کی قیادت سنبھالو۔ لیکن قائداعظم نے مولانا عثمانیؒ کو منع کر دیا تھا کہ میری زندگی میں آپ یہ خواب کسی سے بیان نہیں کریں گے (بحوالہ ''ایک راز سے پردہ اٹھا ہے۔'' ڈاکٹر صفدر محمود۔ روزنامہ جنگ 30 اکتوبر 2011ء)

بہر کیف 1934ء میں ہندوستان واپس آنے کے بعد قائداعظم نے یہاں پر مسلسل 13 برس تک اپنی تقریروں میں مسلمانوں کی آزاد ریاست کے حوالے سے اسلام کا تذکرہ کیا، بقول ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے قوالی کی۔ محمد علی جناح کی سوچ میں یہ اسلامی رنگ اقبال کی وجہ سے آیا، اس کو قائداعظم خود تسلیم کرتے تھے۔ اس حوالے سے اُن کا جملہ ہے جو انہوں نے علامہ اقبال کی وفات پر کہا تھا۔

" To me he was a personal friend, philosopher and guide and as such the main source of my inspiration and spiritual support."

''وہ میرے ذاتی دوست، فلسفی اور رہنما تھے۔ وہ میرے لیے تشویق فیضان اور روحانی قوت کا سب سے بڑا ذریعہ تھے۔''

قائداعظم نے 1934ء کے بعد جو تقریریں کہیں اُن میں بتکرار اسلام کے قیام و نفاذ کے لئے جداگانہ مملکت کے قیام کی بات کہی۔ ان کی بعض تقاریر کی اخبارات میں جو سرخیاں لگیں اُن میں سے چند ایک یہ ہیں۔

6 جون 1938ء: ''مسلم لیگ کا جھنڈا نبی اکرم ﷺ کا جھنڈا ہے۔''

22 نومبر 1938ء: ''اسلام کا قانون دنیا کا بہترین قانون ہے۔''

8 اپریل 1938ء اسٹار آف انڈیا: ''ملتِ اسلامیہ عالمی ہے۔''

7 اگست 1938ء: ''مَیں اوّل و آخر مسلمان ہوں۔''

9 نومبر 1939ء: ''مغربی جمہوریت کے نقائص۔''

14 نومبر 1939ء: ''انسان خلیفۃ اللہ ہے۔''

ٹائمز آف لندن 9 مارچ 1940ء: ''ہندو اور مسلمان دو جداگانہ قومیں ہیں۔''

26 مارچ 1940ء: ''میرا پیغام قرآن ہے۔''

اسی لئے قائداعظم کے بارے میں ایک مغربی مفکر سورن سن نے اپنی کتاب میں یہ جملہ لکھا کہ بیرسٹر جناح سیکولر نیام میں اسلام کی تلوار ہیں۔ تو یہ ہے قائداعظم کا تصورِ پاکستان۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی یہ کہتا کہ قائداعظم سیکولر ریاست چاہتے تھے تو اسے بانیٔ پاکستان پر گھٹیا الزام ہی کہا جا سکتا ہے۔ آج کا سیکولر دانشور دلائل کی بنیاد پر اس حقیقت کو ہرگز نہیں جھٹلا سکتا کہ قائداعظم اسلامی ریاست کی غرض سے پاکستان کا قیام چاہتے تھے۔ ہمارے سیکولر دانشوروں کو اپنے مذموم مقاصد کے لئے قائداعظم کی صرف ایک تقریر ہی ملی ہے جو انہوں نے 11 اگست 1947ء کو کی تھی۔ اس تقریر میں قائداعظم کا ایک جملہ تھا ''تم عنقریب دیکھو گے کہ وقت کے ساتھ ساتھ نہ ہندو ہندو رہے گا نہ مسلمان مسلمان رہے گا۔ مذہبی اعتبار سے نہیں، مذہب تو ہر شخص کا ذاتی معاملہ ہے بلکہ سیاسی اعتبار سے، ریاست کے شہری کی حیثیت سے۔'' اس جملہ سے قائداعظم کا مقصود یہ تھا کہ پاکستان میں بسنے والی اقلیتیں اپنے آپ کو غیر محفوظ نہ سمجھیں۔ غیر مسلم ہونے کی بنا پر ریاستی سطح پر اُن سے کسی بھی قسم کا ناروا سلوک نہیں ہوگا۔ ظاہر ہے، اسلامی ریاست میں غیر مسلم ذمی ہوتے ہیں۔ یعنی اُن کی جان، مال، اولاد اور عبادت گاہوں کا تحفظ اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے۔ ان کو آزادی ہوتی ہے کہ اپنے پرسنل معاملات، وراثت اور شادی بیاہ کے معاملات اپنے مذہب کے تحت طے کریں۔ قائداعظم کی اس تقریر کو اس زمانے میں بھی کچھ لوگوں نے غلط معنی پہنائے اور یہ کہا کہ دیکھیں، قائداعظم تو کہہ رہے ہیں کہ مذہب کا ریاست سے تعلق نہیں ہوگا۔ اِس غلط پروپیگنڈے کو زائل کرنے کے لیے قائداعظم نے 25 جنوری 1948ء کراچی بار ایسوسی ایشن سے خطاب کرتے ہوئے دوٹوک لفظوں میں واضح کیا:

"Islamic principles today are as applicable to life as they were thirteen hundred years ago. He could not understand a section of the people who deliberately wanted to create mischief and propaganda that the constitution of Pakistan would not be made on the basis of Shariat."

''اسلامی اصول آج بھی ہماری زندگی کے لیے اسی طرح قابل عمل ہیں جس طرح تیرہ سو سال پہلے قابل عمل تھے۔ وہ یہ نہیں سمجھ سکے کہ لوگوں کا ایک گروہ جان بوجھ کر فتنہ اندازی سے یہ بات کیوں پھیلانا چاہتا ہے کہ پاکستان کا آئین شریعت کی بنیاد پر مدون نہیں کیا جائے گا۔''

قائداعظم نے یہ بات بانگ دہل واضح کر دی تھی کہ اس ملک کا دستور شریعت کے مطابق ہوگا۔ لیکن قیام پاکستان کے بعد انہیں زیادہ مہلت نہیں ملی۔ ان کی ٹی بی کی بیماری آخری سٹیج پر تھی۔ جس کے سبب وہ ایک سال بعد ہی اس دنیا سے چلے گئے۔ لیکن پاکستان جس مقصد کے لئے بنا تھا، اس کو ان کے رفیق کار لیاقت علی خان نے آگے بڑھایا۔ 12 مارچ 1949ء کو دستور ساز اسمبلی میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے قرارداد مقاصد پیش کی۔ لیاقت علی خان نے اس قرارداد کی حمایت میں ایمان افروز تقریر کی۔ بحث و تمحیص کے بعد قرارداد کو منظور کر لیا گیا۔ اس قرارداد میں واضح طور پر اقرار کیا گیا کہ حاکمیت اعلیٰ کی سزاوار اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اور مسلمانوں کے نمائندوں کے پاس جو اختیار ہے وہ اللہ کی امانت ہے، اور یہ کہ اس ملک میں کوئی قانون سازی قرآن و سنت کے خلاف نہیں ہوگی۔

متذکرہ حقائق اس بات کا بیّن ثبوت ہیں کہ نظریۂ پاکستان اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ پاکستان میں اسلام کا نفاذ ہو۔ علامہ اقبال کی سوچ اور قائداعظم کی تقریروں کا حاصل یہی تھا، اور اُن کے بعد قراردادِ مقاصد نے اس معاملے کو اور زیادہ پختہ کر دیا۔ لیکن بدقسمتی سے آج یہ تاثر دیا جا رہا ہے کہ نظریۂ پاکستان نام کی کوئی شے تھی ہی نہیں۔ ڈاکٹر صفدر محمود نے اپنے ایک کالم میں لکھا ہے کہ ذرا غور تو کرو، ہندوستان کی اتنی بڑی تقسیم ہوگئی، جس کے بارے میں گاندھی جی نے کہا تھا کہ ہندوستان کی تقسیم میری لاش پر ہو گی۔ کیونکہ ہندوؤں کے لئے متحدہ ہندوستان ایک گاؤ ماتا کی مانند مذہبی تقدس کا درجہ رکھتا ہے۔ لہٰذا وہ کہتے تھے کہ ہم ہرگز ہندوستان کو تقسیم ہونے نہیں دیں گے۔ پھر تقسیم ہند کے بعد تاریخ انسانی کی اتنی بڑی ہجرت ہوئی اور ہجرت کے دوران میں لوگوں نے ہر طرح کی قربانیاں دیں۔ وہ اپنے مکان اپنے جمے جمائے کاروبار، اپنے بزرگوں کی قبریں چھوڑ کر پاکستان آ گئے۔ کیا انہوں نے یہ قربانیاں بغیر کسی نظریے کے یوں ہی دے دی تھیں؟ کیا اتنی بڑی قربانی لوگ ایسے ہی دے دیتے ہیں۔ پھر یہ دیکھئے کہ پاکستان جن خطوں پر مشتمل تھا اُن کے درمیان قدر مشترک کیا چیز تھی۔ کیا ان کی زبان ایک تھی؟ کیا ان کا رنگ ایک تھا؟ ظاہر ہے ایسا نہیں تھا۔ اُن لوگوں میں صرف اور صرف کلمہ کا رشتہ تھا۔ پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ

کے نعرے نے انہیں باہم جوڑ دیا تھا۔ بلاشبہ پاکستان اسلام کے نام پر اور اسلام کے نفاذ کے لئے بنا تھا اور اِس بات میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ یہ صرف اور صرف اسلام کی بنیاد پر ہی مستحکم ہوسکتا بلکہ باقی رہ سکتا ہے۔ ورنہ یہ ملک مزید ٹوٹے گا۔ اسلام سے بے وفائی کی سزا پہلے بھی ہمیں مل چکی ہے کہ ہمارے بنگالی بھائی ہم سے علیحدہ ہو گئے۔ اب بقیہ پاکستان بھی عدم استحکام کا شکار ہے۔ وجہ صرف یہ ہے کہ دین جو ہمیں جوڑنے والا تھا ہم نے اُسے ترک کر دیا۔ آج بھی اسلام کی بنیاد پر ہی صوبائی اور لسانی تعصبات ختم ہوسکتے ہیں۔ سیکولر عناصر شور کرتے رہے ہیں کہ یہ مولوی کون سا اسلام نافذ کریں گے؟ دیوبندی اسلام، بریلوی اسلام، اہل حدیث اسلام، شیعہ اسلام۔ الحمدللہ علماء کرام نے اس حوالے سے بھی ان لوگوں کا منہ قیام پاکستان کے تین چار سال بعد ہی بند کر دیا تھا۔ 1951ء میں کراچی میں سید سلمان ندویؒ کی قیادت میں مختلف مکاتب فکر کے 31 علماء جمع ہوئے اور متفق ہوکر نفاذ اسلام کے لیے 22 نکات پیش کر دیئے۔ نفاذ اسلام کے لیے رہنما اصولوں کے طور پر وہ 22 نکات آج بھی موجود ہیں۔

ہماری بھلائی اسی میں ہے کہ ہم اس ملک میں اسلام کی طرف پیش قدمی کریں۔ یہ بات واضح ہو کہ ملک میں اسلام انتخابی سیاست کے رستے سے کبھی نہیں آسکتا۔ اسلام منظم انقلابی جدوجہد سے آئے گا، احتجاجی طریقے سے آئے گا۔ ختم نبوت کی تحریک چلی اور اُس میں علماء نے احتجاجی انداز اختیار کیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں کامیابی دی۔ اس وقت مولانا تقی عثمانی صاحب نے انتخابی سیاست میں حصہ لینے والوں کو کہا تھا کہ دیکھو یہ طریقہ ہے شریعت کے نفاذ کا جو تم نے تحریک ختم نبوت میں اختیار کیا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے ان کی بات پر توجہ نہیں دی گئی۔ اسی طرح کچھ ہی عرصے پہلے تحریک تحفظ ناموس رسالت کامیاب ہوئی ہے۔ تمام دینی جماعتوں نے 9 جنوری 2011ء کو کراچی میں تاریخ کی سب سے بڑی ریلی نکالی۔ اس کے بعد 21 جنوری کو لاہور میں ریلی نکالی گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چنانچہ حکومت نے ہاتھ جوڑ دیئے کہ ہم ہرگز قانون ناموس رسالت میں ترمیم نہیں کریں گے۔ آج بھی اگر اسلام نافذ ہوگا تو اسی احتجاجی طریقے کو اختیار کرنے سے ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں جلد از جلد اسی طریقے پر آنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

☆☆☆

مسلم ہیروز

سلطان شہاب الدین غوری

فرقان دانش

خاندان

غوری خاندان نے حقیقی اہمیت دو بھائیوں غیاث الدین اور شہاب الدین محمد غوری کے زمانے میں حاصل کی جو سیف الدین ثانی کے چچازاد بھائی تھے اور سیف الدین کے انتقال کے بعد یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے۔ سیف الدین غوری کے بعد غیاث الدین غوری 552ھ میں غور کے تخت پر بیٹھا، اور اپنے بھائی شہاب الدین کے ساتھ مل کر حکومت کرتا تھا۔ اُس نے 567ھ بمطابق 1173ء میں غزنی کو مستقل طور پر فتح کرلیا اور شہاب الدین محمد غوری کو سلطان معز الدین کا خطاب دے کر غزنی میں تخت پر بٹھایا۔

غیاث الدین نے اس دوران میں ہرات اور بلخ بھی فتح کر لیے اور ہرات کو اپنا دارالحکومت بنایا۔ غور، غزنی اور ہرات پر جب اِن دونوں کا قبضہ ہوگیا تو ان دونوں نے مشرقی خراسان پر بھی قبضہ کیا۔ سلجوقیوں میں یہ دم نہ تھا کہ وہ ان کا مقابلہ کرتے۔ شہاب الدین غوری نے 572ھ میں ہندوستان پر حملے کر کے خسرو ملک کو جو لاہور کے تخت پر براجمان تھا، قید کیا اور غیاث الدین کے پاس غور بھیج دیا۔ خسرو ملک کی گرفتاری کے بعد شہاب الدین ہندوستان کے پایہ تخت لاہور پر حکمران ہوا۔ غیاث الدین بہت کم لڑائیوں میں شریک ہوتا تھا۔ سپہ سالاری کی ذمہ داری زیادہ تر شہاب الدین کے متعلق تھی۔ شہاب الدین کے زمانے میں غیر مسلموں کی اکثریت نے اسلام قبول کیا۔ دریائے جہلم اور سندھ کے درمیان کھوکھر نامی ایک قوم آباد تھی جن کے یہاں ایک مسلمان قید تھا۔ اس مسلمان قیدی کی تبلیغ سے یہ قبیلہ مسلمان ہوگیا۔ پاکستان میں بلوچستان کے پہاڑی علاقوں کے پٹھان بھی اسی زمانے میں اسلام لائے۔

تخت نشینی

اس تمام مدت میں شہاب الدین محمد غوری کا بھائی غیاث الدین ہرات پر حکومت کرتا رہا۔ اس نے ہرات شہر کو بڑی ترقی دی اور وہاں ایک شاندار جامع مسجد تعمیر کرائی جو آج بھی موجود ہے اور شہر ہرات کی سب سے اہم اور بڑی عمارت ہے۔ غیاث الدین نے 46 سال حکومت کی اور 598ھ میں اس کے انتقال کے بعد شہاب الدین محمد غوری ہرات میں بھائی کی جگہ پوری غوری سلطنت کا بادشاہ ہوگیا۔ سلطان شہاب الدین غوری اگرچہ اپنے بھائی کا نائب تھا لیکن اس نے غزنی میں ایک آزاد حکمران کی حیثیت سے حکومت کی اور پاکستان اور شمالی ہندوستان کو فتح کر کے تاریخ میں مستقل مقام پیدا کرلیا۔ شہاب الدین غوری نے اپنی فتوحات کا آغاز ملتان اور اوچ سے کیا اور 1175ء میں دونوں شہر فتح کر لیے۔ اس کے بعد 1179ء میں پشاور اور 1182ء میں دیبل کو فتح کر کے غوری سلطنت کی حدود بحیرۂ عرب کے ساحل تک بڑھا دیں۔ شہاب الدین نے 1186ء میں لاہور پر قبضہ کر کے غزنوی خاندان کی حکومت ہمیشہ کے لیے ختم کردی۔

فتوحات

فتح لاہور کے بعد شہاب الدین نے بٹھنڈہ فتح کیا جس پر دہلی اور اجمیر کا ہندو راجہ پرتھوی راج چوہان جو رائے پتھورا کے نام سے بھی مشہور ہے اور اس کی بہادری کے کارنامے شمالی ہندوستان میں مشہور ہیں ایک زبردست فوج لے کر اس کے مقابلے پر آیا اور 1191ء میں اس نے شہاب الدین محمد غوری کو ترائن (تراوڑی) کے میدان میں شکست دی۔

سلطان محمد غوری نے 1191ء میں ترائن کی پہلی لڑائی میں پرتھوی راج کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد قسم کھائی کہ جب تک وہ اس شکست کا بدلہ نہ لے گا، زمین پر سوئے گا اور لباس نہیں تبدیل کرے گا۔ چنانچہ ایک سال کی تیاری کے بعد اُس نے ایک لشکر

جرار کے ساتھ ہندوستان پر حملہ کیا۔ جب اگلے برس 1192ء میں دریائے سرستی کے کنارے، ترائن کے میدان میں خیمہ زن ہوا تو ہندو راجوں کے مشورے پر، پرتھوی راج نے شہاب الدین غوری کو یہ خط بھیجا: ’’ہم ہندو راجاؤں کے لشکر کی اہمیت تو تمہیں معلوم ہے۔ ہمارے ساتھ جس قدر لشکر ہے، وہ تمہیں اور تمہاری فوج کو تباہ کرنے کے لیے کافی ہے اور ابھی مختلف افواج کی آمد جاری ہے، جن کے قدموں سے زمین کا سینہ کانپ رہا ہے۔ اگر تمہیں جان عزیز ہے تو اپنے سپاہیوں کی غربت پر رحم کھاؤ اور واپس چلے جاؤ، ورنہ یاد رکھو، کل صبح ہم اپنے تین ہزار ہاتھیوں اور بے شمار توپچیوں کی فوج سے میدانِ جنگ کو میدانِ حشر بنا دیں گے اور اس کے نتیجے میں تمہیں شکست کھا کر ذلت و رسوائی کے ساتھ یہاں سے بھاگنا پڑے گا۔‘‘

ہندو راجاؤں کا یہ مشترکہ تہدیدی خط پڑھ کر شہاب الدین نے سوچا کہ ہندوستان میں ہندوؤں کے ساتھ مسلمانوں کا نباہ کبھی نہ ہو سکے گا۔ ہندو اور چیز ہے، مسلمانوں کا خمیر کسی اور چیز سے بنا ہے۔ اس لیے اُس نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان آئے دن کے فسادات اور جھگڑوں کو نمٹانے کے لیے صلح کی تجویز پیش کی۔ اس نے پرتھوی راج کے خط کے جواب میں یہ تجویز دی: ’’مجھے یقین ہے کہ اس شرط پر صلح ہو سکتی ہے کہ سرہند، پنجاب اور ملتان پر تو غوریوں کا قبضہ رہے اور باقی تمام ہندوستانی علاقے آپ کی حکومت میں چھوڑ دیے جائیں۔‘‘ گویا شہاب الدین غوری نے قیامِ پاکستان سے تقریباً ساڑھے سات سو سال قبل دو قومی نظریے کی شہادت دی۔ 1192ء میں گویا اُنہوں نے ہندوؤں کے سامنے تقسیم ہند کی تجویز رکھی تھی جو اُس وقت انہوں نے نامنظور کر دی اور میدان جنگ میں عبرت ناک شکست کھانا منظور کیا، لیکن وہی تجویز قائداعظم نے محض آئینی طریق سے دلائل کے ساتھ، گفتگو کر کے انگریزوں اور ہندوؤں سے منوالی، جس کے نتیجے میں ہندوستان تقسیم ہوا اور پاکستان وجود میں آیا۔ مشرق میں بنگال اور مغرب میں وہ پورا علاقہ جس کی سرحدوں کی نشاندہی شہاب الدین غوری نے کی تھی، 14 اگست 1947ء کو آزاد ہوا۔ اور یہ دونوں علاقے ہندوؤں کی غلامی کے اندیشے سے ہمیشہ کے لیے چھوٹ گئے۔

آزاد بھارت کی جدید تاریخ دان محترمہ پروفیسر رومیلا تھاپر ہندوستان میں شہاب الدین غوری کی آمد کے حوالے سے لکھتی ہیں: ’’محمود غزنوی 1030ء میں فوت ہو گیا اور یوں شمالی ہند کے لوگوں نے سکھ کا سانس لیا۔ محمود کا نام ہی سال کے سال لوٹ مار کے حملوں اور بت شکنی کے لیے مخصوص ہو کر رہ گیا تھا...... لیکن اہل ہند کو محمود کے سال کے سال حملوں سے بھی عقل نہ آئی اور انہوں نے یہ سوچنے تک کی زحمت گوارا نہ کی کہ اُن کے شمال مغرب میں لوگوں پر کیا بیت رہی ہے اور کیسے کیسے قیامت خیز واقعات رونما ہو رہے ہیں۔ قبائل چھوٹے چھوٹے اتحاد تو بنا لیتے تھے، لیکن صرف اپنے اپنے قبیلے کی حفاظت کے لیے، قومی سطح پر دفاع کو مضبوط کرنے کی غرض سے نہیں۔ دفاع کا ایک ہی مطلب تھا کہ اپنے اپنے رجواڑوں کی سلامتی کی خاطر دوسرے راجاؤں کو فوری امداد دی جائے۔ انہوں نے پوری طرح یہ سمجھا ہی نہیں کہ محمود نے جہاں شمال مغرب کی جانب سے اپنے لیے حملوں کی راہ ہموار کی ہے، وہاں سے کوئی دوسرا حملہ آور بھی وار کر سکتا ہے۔ وہ سب اس پر صبر کر کے بیٹھ رہے کہ محمود ہُن قبائل کی طرح ایک بیرونی حملہ آور تھا، محض ایک ملیچھ۔ جس طرح ہُن آئے، ہمارے سماج میں جذب ہو گئے اور بھلا دیے گئے، اسی طرح محمود اور اُس کے لشکری بھی ہمارے سماج میں جذب ہو کر فراموش کر دیے جائیں گے۔ محمود کی وفات کے بعد تو اہل ہند اپنی شمال مغربی سرحد کے متعلق اور بھی غفلت میں پڑ گئے اور انہیں یہ محسوس ہی نہ ہوا کہ خبردار ہونے کی کس قدر ضرورت واہمیت ہے۔ اُن کی بے نیازی کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ محمود کے جانشینوں نے بھی شمالی ہند کے میدانی علاقوں میں مزید پیش رفت میں دلچسپی نہیں لی۔ چنانچہ جب ہندوستان کے راجے مہاراجے پھر آپس کے جھگڑوں میں پڑ گئے اور بارہویں صدی کے آخر میں شمال مغرب سے حملوں کا دوسرا ریلا، شہاب الدین غوری کی سرکردگی میں آیا، تو ہندوستان اس نئی آفت سے اسی طرح بے نیاز، بے خبر اور غیر مستعد تھا، جس طرح محمود غزنوی کے حملوں کے وقت تھا۔‘‘ (ترجمہ)

اُدھر شمالی ہند اور شمالی مغربی سرحدی علاقوں (موجودہ پاکستان) کے مسلم فرماں رواؤں کی حالت بھی وسط ہند کے ہندو راجوں مہاراجوں سے مختلف نہ تھی۔ محمود غزنوی کے بعد خاندان غزنویہ کے اختتام (1186ء) تک ڈیڑھ سو برسوں میں یکے بعد دیگرے اس کے پندرہ جانشینوں نے حکومت کی، لیکن اس پورے عرصے میں وہ یا تو ذاتی مفادات کی خاطر آپس میں اُلجھتے رہے یا اردگرد کے پڑوسی ملکوں، سلجوق، سنجر، خوارزم شاہ اور خاندان غور سے برسرِ پیکار رہے۔ ان پندرہ غزنویہ سلاطین میں سے کسی نے بھی نہ تو محمود کی سی شجاعت کا مظاہرہ کیا اور نہ ایسے اعلیٰ تدبر کا کہ وہ حالت کو پُرامن اور پُرسکون بنا سکتا۔ یہ پوری ڈیڑھ صدی شورش اور ہنگامہ آرائی میں گزر گئی۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ تاریخ میں دو سگے بھائی ایسے نمودار ہوئے کہ انہوں نے تاریخ کا یہ دستور باطل قرار دے دیا کہ حصولِ اقتدار کی جنگ میں ایک بھائی کا دوسرے بھائی کا دشمن ہو جانا ضروری ہے۔ شمس الدین (غیاث الدین) اور شہاب الدین (معز الدین) دو ایسے دلیر اور دانشمند بھائی تھے جنہوں نے ایک طرف افغانستان کے جنوب مغرب میں سلطنت غوریہ کو مضبوط سے مضبوط تر کیا اور دوسری طرف مفتوحات اور مقبوضات میں بھی بیش بہا اضافہ کیا۔ (جاری ہے)

☆☆☆☆☆

بقیہ: شرحِ دردِ دل!

یہ عالمی گلا سڑا نظام انسانیت کش، انسانیت دشمن اول تا آخر اکھاڑ پھینکے جانے کے لائق ہے۔

ان مغربی اقوام کے پاگل پن، اخلاقی بحران کی شدت کا غماز فرانس میں پاس کیے جانے والا ہم جنس شادیوں کا قانون ہے۔ فرانس کی عظیم اکثریت اس پر خوشی کے شادیانے بجا رہی ہے۔ پیچیدگی ابھی کچھ یہ باقی ہے کہ اب دو خواتین/ دو مرد (میاں بیوی) بچہ کہیں سے گود لیں گے (حرام، فالتو بے مصرف بچے بے حساب موجود ہیں) اس کے لیے قانون سازی درکار ہوگی۔ وراثت (بھان متی کنبے کی) اور پھر بصورتِ بیوگی (!) پنشن کے مسائل درپیش ہوں گے! یہ اخلاق و کردار کی سڑاند اور گھناؤنا پن اٹھا کر بحر مردار میں پھینک دیے جانے کے لائق ہے۔ یہ شاہکار ہیں ’اعلیٰ تعلیم، اعلیٰ تہذیب‘ سیکولرازم اور جمہوریت کے! تفو بر تو اے مردودانِ عالم! دنیا کو اس دیوانگی سے نجات دلانے کے لیے کوثر و تسنیم سے دھلی تہذیب کے وارثوں کی ذمہ داری دو چند ہو چکی ہے۔ شرط یہ ہے کہ پہلے ہم فکری غلامی کے شکنجے سے نکلیں! گھگھیا ہٹ بھری مرعوبیت دور کریں۔

تھک تھک گئی زبان دمِ شرح دردِ دل
یہ داستاں مگر نہ کبھی دوستو چکی

☆☆☆☆☆

مروجہ سیاست اور تنظیم اسلامی

انتخابی سیاست بمقابلہ انقلابی جدّوجہد

انتخابی سیاست	انقلابی جدّوجہد

اہداف وامکانات

☆ اصلاً حکومت چلانے والے ہاتھوں کی تبدیلی	☆ سماجی، سیاسی اور معاشی تمام سطحوں پر ظلم اور استحصال کا مکمل خاتمہ
☆ نظام میں صرف سطحی اور جزوی اصلاح کا امکان	☆ اسلام کے کامل نظامِ عدلِ اجتماعی کا قیام ونفاذ

طریقِ کار اور لازمی تقاضے

☆ ساری بحث وقتی مسائل کے بارے میں	☆ ماضی، حال اور مستقبل کا گہرا شعور
☆ اصل زور نعروں پر	☆ اصل توجہ سوچ کی تبدیلی پر
☆ صرف اسلام پسندی پر اکتفا	☆ احکامِ شریعت کی پابندی لازم
☆ اصلاحِ عقائد غیر ضروری، بلکہ مُضر	☆ تصحیح عقائد نہایت ضروری
☆ تعمیرِ سیرت وقت کا ضیاع	☆ تعمیرِ سیرت کامیابی کی لازمی شرط
☆ ڈھیلی ڈھالی رکنیت سازی	☆ سمع وطاعت پر مبنی مضبوط تنظیم
☆ ذاتی وجماعتی پبلسٹی اور نمود ونمائش	☆ للّٰہیت اور ''نیکی کر دریا میں ڈال'' کا طرزِ عمل
☆ سارا زور دنیوی بہبود اور اُس کے ضمن میں آسمان اور زمین کے قلابے ملانے پر	☆ دنیا میں امن وچین اور عدل وانصاف کے ساتھ ساتھ اصل زور آخرت کی نجات پر
☆ علاقائی، گروہی اور طبقاتی مفادات کی دُہائی	☆ پوری نوعِ انسانی بالخصوص امت مسلمہ کی خیر خواہی
☆ عوام سے ووٹوں کی بھیک مانگنا اور دھن، دھونس اور دھاندلی کا بھرپور استعمال	☆ منکرات کے خلاف جہاد اور استحصالی ہتھکنڈوں کے خلاف پُرامن اور منظم مظاہرے

کامیابی کے بنیادی لوازم

☆ محض عددی اکثریت، خواہ بے شعور بلکہ فاسق وفاجر لوگوں پر مشتمل ہو	☆ تربیت یافتہ، منظّم اور ایثار پیشہ لوگ خواہ قلیل اقلیت ہی میں ہوں

☆ عوام کی پسند و ناپسند ہمیشہ مقدم	☆ ہر موقع پر صرف اللہ اور رسول ﷺ کی پسند و ناپسند کا لحاظ
☆ سکہ رائج الوقت یعنی پیسہ، برادری، سرمایہ داری، جاگیرداری، قبائلی سرداری اور مزاروں کی سجادہ نشینی پر مبنی دنیوی وجاہت کی مناسب پذیرائی	☆ اصل اہمیت اور قدر و منزلت کا معیار ایمان کی پختگی، اللہ اور رسول ﷺ کی سچی وفاداری، جانی و مالی قربانی اور جوشِ جہاد و ذوقِ شہادت
☆ رشوت، جوڑ توڑ اور ضمیر کے سودے	☆ اللہ کے ہاتھ جان اور مال کی ''بیع'' یعنی فروخت
☆ بے اصول اور انمل بے جوڑ اتحاد جن میں قیادت کی رسہ کشی لازم	☆ ایک امیر کی ''بیعت'' پر مبنی ''حزب اللہ'' کا قیام

نتائج اور میزانیہ نفع و نقصان

☆ مذہبی جماعتوں کا باہمی تصادم اور فرقہ واریت کا فروغ	☆ ہر مکتبِ فکر کے مخلص 'سرفروشوں' کے اتحاد سے فرقہ واریت کی نفی
☆ اسلام پسند ووٹروں کی تقسیم اور الحادی قوتوں کی بالواسطہ تقویت اور ان کی کامیابی	☆ انقلابی لوگ خود امیدوار نہ ہونے کے باعث ووٹوں کی تقسیم کے الزام سے بری
☆ عوام الناس کی مذہبی جماعتوں سے بیزاری اور ملک و ملت سے نااُمیدی	☆ دین اور رجالِ دین پر عوامی اعتماد کی بحالی اور اقامتِ دین کی جدوجہد میں شمولیت پر آمادگی

پاکستان کی چھیاسٹھ سالہ تاریخ کی گواہی

☆ انتخابات کے میدان میں مذہبی عناصر ہمیشہ متصادم ہو کر مختلف سیکولر جماعتوں کا ضمیمہ بنے اور نتیجتاً غیر مؤثر رہے	☆ مطالباتی اور مظاہراتی مہموں کی قیادت ہمیشہ رجالِ دین کے پاس رہی اور کامیابی نے بھی ہمیشہ قدم چومے (مثالیں: مطالبۂ قراردادِ مقاصد، تحریک ختم نبوت 74ء وغیرہ)
☆ اکثر و بیشتر طالع آزما اور اقتدار کے حریص لوگ ہی آگے آتے رہے اور معاشرے میں سرمایہ پرستی، کرپشن اور لوٹ کھسوٹ ہی کو فروغ حاصل ہوتا رہا۔	☆ مطالباتی اور مظاہراتی مہموں کے دوران مخلص اور ایثار پیشہ کارکنوں کے جوہر نمایاں ہوئے...... یہ دوسری بات ہے کہ بعد میں انتخابی سیاست نے انہیں پیچھے دھکیل دیا۔

حاصل کلام

کم از کم اسلامی نظام کے قیام کے اعتبار سے انتخابی سیاست پر علامہ اقبال کی یہ پھبتی فیصد چسپاں ہوتی ہے کہ ؎

الیکشن، ممبری، کرسی، صدارت
بنائے خوب آزادی نے پھندے
اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں
نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے

کاش کہ جملہ مذہبی جماعتیں علامہ اقبال کے بقول ''اپنے عمل کا حساب'' کر سکیں، اور یہ جان لیں کہ اسلام کے مکمل نظام کا قیام انقلابی جدوجہد کا متقاضی ہے:

صورتِ شمشیر ہے دستِ قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب
جس میں نہ ہو انقلاب، موت ہے وہ زندگی
روحِ اُمم کی حیات، کشمکشِ انقلاب

شرحِ دردِ دل!

عامرہ احسان
amira.pk@gmail.com

قانون کی حکمرانی، آئین کی بالادستی کا ایک منظر مشرف کی ضمانت منسوخ ہونے پر گرفتاری کے حکم کے اڑتے پرزوں میں قوم کو دکھایا گیا۔ آئی جی کے وکیل نے صفائی پیش کرتے ہوئے پولیس کی کسمپرسی پر روشنی ڈالی۔ وکیلوں کی وردی میں ملبوس ایس ایس جی کمانڈوز اور 200 رینجرز قانون کی آنکھوں میں دھول جھونک کر ہائی کورٹ سے ملزم کو بہ عافیت نکال لے گئے۔ یہ دھونس کا رویہ ریمنڈ ڈیوس اور حسین حقانی کو فرار کروانے سے بہت زیادہ مختلف نہیں۔ جمہوریت، قانون کی حکمرانی پاکستان میں ایسے مناظر دیکھتی، دکھاتی رہی ہے۔ عوام کی حیثیت ایک تماش بین سے زیادہ کی نہیں خواہ حکمران ووٹ کی پرچی سے آئے یا بوٹ اور وردی کے بل پر۔! عوام کے منہ میں ٹکا دینے کو اسلام آباد پولیس لائنز میں وی آئی پی ملزم کو آئی جی کے گیسٹ ہاؤس میں ایک رات کے لیے رکھا گیا (شہدائے لال مسجد والے قبرستان کے بالمقابل)۔ بعد ازاں پر تعیش فارم ہاؤس سب جیل قرار پا گیا۔ 9/11 کے بعد سے پولیس کا المیہ یہی رہا کہ ''دہشت گردی مچانے کی جنگ'' میں طاقتور اداروں نے ہر قانون شکنی کے لیے پولیس اور سپیشل برانچ کا نام استعمال کیا۔ اغوا کاریاں، جعلی مقابلوں میں امریکہ کی خاطر شہریوں کا قتل، جعلی مقدمات، ہر جگہ نام پولیس کا استعمال ہوا۔ ذمہ دار افسران اپنے ماتحتوں کی یہ تذلیل ٹھنڈے پیٹوں برداشت کرتے رہے، تا آنکہ اب اسلام آباد ہائی کورٹ میں تاوان دینا پڑا۔

کیا المیہ ہے کہ عوام الناس تو جرم بے گناہی میں لاپتہ کر کے عقوبت خانوں میں پھینکے جائیں اور پاکستان کی تباہی کا بڑا مجرم ایکڑوں کی (ذاتی) گلچھر اجیل کے مزے لوٹے۔ تاہم اصل عدالت کا دن دور نہیں جہاں تمام رازوں سے پردہ اٹھے گا ﴿يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ فَمَا لَهُ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ۝١٠﴾ (الطارق)۔ جہاں سینہ سارے راز اگل دے گا ﴿وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ ۝١٠﴾ (العادیات)۔ جہاں مجرم چلائے گا، میری بادشاہی/ سارا اقتدار ختم ہو گیا ﴿هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِيَهْ ۝٢٩﴾ (الحاقۃ) جہاں فیصلے لال مسجد کمیشن کی طرز پر نہ ہوں گے کہ چند وزراء کو ذمہ دار ٹھہرا کر طاقتور، بندوق کے زور پر بچ نکلیں۔ (کوئی خاتون نہیں ماری گئی!) ہم وہ دن بھولے بیٹھے ہیں جسے آنا ہے۔ جس سے کسی کو مفر نہیں۔ مظلوموں کا تمام تر صبر اس دن پر ایمان کی بدولت ہے! ظالموں کا تمام تر ظلم و قہر اس دن کو بھول رہنے کی بنا پر ہے! آج کی دنیا انہی دو گروہوں میں منقسم ہے۔ پوری انسانیت ایک خون آشام استحصالی گروہ کے شکنجے میں آئی سسک رہی ہے۔ یہ وہی ایک فیصد ہے جس کی پکار امریکہ میں سیاسی معاشی استحصال پر 'آکو پائی وال سٹریٹ' تحریک میں اٹھی تھی جسے دبا دیا گیا۔ گلوبل ویلج پر قابض یہ استحصالی گروہ دنیا کی 99 فیصد آبادی کو اپنے مفادات، تعیشات، فارم ہاؤسز کی خاطر نچوڑ کر خون کی آخری رمق تک سے محروم کرنے کے درپے ہے۔ یہ جنگ انہی کی جنگ ہے۔ انہی کے گماشتے پوری مسلم دنیا اور دیگر غریب ممالک پر مسلط ہیں۔ پرویز جاتا ہے اور زرداری آتا ہے۔ حسنی مبارک کو عوام اگر لہو دے کر نجات حاصل کرتے ہیں تو جمہوریت کے یہ ناخدا مرسی کو ایک دن بھی سکون سے حکمرانی، ملک سنبھالنے یا عوام کو ریلیف دینے کی مہلت دینے پر تیار نہیں۔ پاکستان میں انتخابات کے نتیجے میں ایک آزاد خود مختار، عوام دوست حکومت۔۔۔؟ ایں خیال است و محال است و جنوں!

سیاسی جماعتوں کو سیٹ ایڈجسٹمنٹ کے مرحلے میں اپنا امریکہ دوست، امریکہ نواز تاثر برقرار رکھنے کی خاطر دینی جماعتوں سے خود کو کوسوں دور رکھنا پڑا! عدلیہ کی آزادی پر مشرف ایک سوالیہ نشان بن گیا۔ میڈیا کی آزادی پر لاکھ پاؤنڈ کی داد و دہش کا دھبہ حقیقت حال کھول گیا۔ پیسہ بولتا بھی ہے۔ پیسہ لکھتا بھی ہے۔ 'یہ ہماری جنگ ہے' کے عنوان میں رنگ بھرنے کے لیے طالبان کے خلاف پیسے کے بل پر جھوٹے مضامین سے کالم داغدار کیے گئے۔ قلم۔۔۔ پہلی وحی میں مذکور۔۔۔ (تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا)۔ قلم، جس کی قسم کھائی گئی، جس سے لاریب کتاب لکھی گئی۔ (ن۔ قسم ہے قلم کی اور اُس چیز کی جسے لکھنے والے لکھ رہے ہیں)۔ قلم کی حرمت بیچنے کا اسکینڈل پرویز مشرف قضیے سے کچھ کم المناک نہیں۔ میڈیا پر جھوٹے دلائل سے عوام کو دھوکا دینے، قلم سے جھوٹ تخلیق کرنے والوں نے قوم کا دل و دماغ آلودہ کیا۔ ایک جھوٹی جنگ کا لقمہ تر بنایا۔ بے گناہوں مظلوموں کے حقوق پامال کیے۔ قبل ازیں ملک ریاض کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑے جانے والے اینکروں کی ویڈیو بھی چند دن جلوہ دکھا کر محو ہو گئی اور وہی اینکرز بدستور قوم کی رہنمائی پر کمر بستہ موجود! یہ وہی عالمی میڈیائی کلچر پوری دنیا کے 99 فیصد کے کان، آنکھیں، دل، دماغ بھی یرغمال بنائے ہوئے ہے۔ اس دجالی جنگ کا سب سے مؤثر حصہ میڈیا ہے، جو اوباما کے چار سالوں میں 304 ڈرون حملوں (پاکستان امریکہ ملی بھگت حملے) میں 2755 شہادتوں کی ایک حقیقی جھلک نہیں دکھاتا۔ چینلوں پر مصورانہ شاہکار، ڈرون اور گھروں کی فرضی تصویر، ویڈیو گیم نما دکھا کر اعلان حملہ اور اموات کی تعداد بتا دی جاتی ہے۔ یہ ڈراما (کارٹون نما) نہ دل کے تار چھوتا ہے نہ جذبات میں ارتعاش پیدا کرتا ہے۔ نہ جنازوں پر مارے جانے والے میزائلوں کی بے رحمی اور قساوت کی منظر کشی کرتا ہے۔ نہ چیتھڑے اڑتے ابدان، نہ اعضاء سے محروم بچے۔ نہ یتیموں کے دھواں دھواں چہرے نہ بیواؤں کے آنسوؤں سے بھیگے چہرے! یہی عالمی میڈیا بوسٹن میں صرف 4 عدد اموات کو دن رات دکھا دکھا کر ہمدردیاں جگاتا، نفرتیں ابھارتا، زہر اگلتا ہے۔ حالانکہ میراتھان پر نہ ڈیزی کٹر پھینکا گیا نہ ہیل فائر میزائل، نہ ڈرون نہ F-16 لیکن مالی، شام، یمن، صومالیہ، لیبیا، غزہ، عراق، افغانستان، وزیرستان کا مجرم امریکہ خون کی ہولی کھیل کر 4 لاشیں لیے مظلوم اعظم ہے! میڈیا کے بل پر۔ قلم، حرف اور صوت کی حکمرانی کی بنا پر۔ (باقی صفحہ 7 پر)

ایک آمر کی آئینی ترامیم منظور، دوسرے کی نا منظور!

کیا عقل و دانش کا یہ تقاضا ہے؟

محمد فہیم
mfaheemdir@yahoo.com

سیکولر حضرات میں سے بعض نمایاں شخصیتوں نے تو یہاں تک کہنا شروع کیا ہے کہ 63,62 پر تو قائداعظم بھی پورے نہیں اُترتے۔ یہ قائداعظم پر بہت بڑا بہتان ہے اور ان کے مقام کو عوام کے آنکھوں میں گرانے کی شعوری کوشش۔

63,62 کو کیوں کوسا جا رہا ہے جبکہ ان دو دفعات کی رو سے ضروری بات اتنی سی ہے کہ عوامی نمائندگی کے منصب کے خواہش مند شخص کی شہرت داغدار نہ ہو اور کسی بڑے گناہ میں ملوث ہونے کے حوالے سے اس پر اُنگلی اٹھائی نہ جا رہی ہو۔ وہ معاشرے میں ایک ''اچھے'' انسان کے طور پر پہچانا جاتا ہو۔ ان دفعات کو بہانہ بنا کر اسلامی اقدار، اخلاق اور مثبت انسانی کردار کے خلاف زہر اگلا جا رہا ہے۔ چنانچہ کچھ تازہ تحریروں میں جو پرنٹ میڈیا پر سامنے آ رہی ہیں، دفعات 63,62 کو مذہب کا جامہ پہنا کر گالیاں دینا شروع کی جا چکی ہیں۔ حالانکہ ان دفعات کے لوازم انسانیت کے ہر سرکل اور ہر مذہب میں معروف ہیں۔ صدق و امانت، پابندیٔ عبادات، راست گوئی، کرپشن میں ملوث نہ ہونے کی صفت، ایفائے عہد اور حسن اخلاق جیسی صفات انسانیت کا اجتماعی اثاثہ ہیں۔ البتہ اسلام نے ان کو نمایاں مقام دیا ہے۔

یہ بات کوئی اہمیت نہیں رکھتی کہ دفعات 63,62 کو ایک فوجی آمر نے متعارف کرایا ہے۔ اگر یہی چیز ان دفعات کے خلاف جاتی ہے تو پھر تو بہت ساری چیزیں جو پرویز مشرف نے متعارف کرائی ہیں ان کو بھی کوسنا چاہیے۔ فیملی لاز میں جو تصرف ایوب خان نے کیا تھا، ان کو بھی اس بنا پر ردّ کرنا چاہیے تھا کہ وہ ایک آمر کے متعارف کردہ ہیں، حالانکہ ہر مکتب فکر کے علماء نے ایوب خان کے ان مسلط کردہ قوانین کو غیر اسلامی قرار دیا ہے۔ ان قوانین کے متعلق یہ دانشور اس لئے لب کشائی نہیں کرتے کہ وہ غیر اسلامی ہیں۔ ایک معروف دانشور جسے سیکولر عناصر کا گورو مانا جاتا ہے کے اس اقرار پر کہ میں شراب پیتا ہوں ریٹرننگ آفیسر نے اس کے کاغذات نامزدگی مسترد کر دیئے تھے تو یہ بالکل قانون کے مطابق کارروائی کی تھی۔ یہ کیسی سوچ ہے کہ آپ ایک شرابی شخص کو قومی اسمبلی کا ممبر بنانا چاہتے ہیں جہاں وہ مسلمانوں کا نمائندہ بن کر قانون سازی کرے گا جبکہ شراب کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ام الخبائث کہا ہے۔ اگر معاذ اللہ یہ اچھی چیز ہے تو قانوناً اس کی ممانعت تو آپ کے بھٹو صاحب نے کی ہے، کسی فوجی آمر نے تو نہیں کی۔ کیا آپ ایک کرپٹ، شرابی، بد دیانت، زانی اور اللہ کے باغی کو اسلامی جمہوریہ پاکستان کی قانون ساز اسمبلی کا ممبر بنانے پر تلے ہوئے ہیں، جہاں قرار داد مقاصد میں کہا گیا ہے کہ "No legislation can be done repugnent to the Quran and Sunnah"۔ یہ قرار داد اب دیباچہ نہیں رہی بلکہ باقاعدہ آئین کا حصہ ہے۔

یہ ملک اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا ہے۔ قائداعظم کا یہ فرمان تاریخ کے اوراق سے مٹایا نہیں جا سکتا جب انھوں نے فرمایا تھا کہ ''ہم نے پاکستان کا مطالبہ ایک زمین کا ٹکڑا حاصل کرنے کے لئے نہیں کیا تھا، بلکہ ہم ایک ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے تھے، جہاں ہم اسلام کے اصولوں کو آزما سکیں۔'' (اسلامیہ کالج پشاور 2 جنوری 1948ء) آئین میں آرٹیکل 227 بھی ہے، جس کی رو سے تمام قوانین کو قرآن و سنت کے مطابق متشکل کرنا ضروری ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ مشرف اور زرداری کے ادوار میں ہم نے آگے بڑھنے کے بجائے پیچھے کی طرف دوڑ لگائی گئی ہے۔ ایک آدمی جس کو کلمہ تک نہیں آتا، جو تعوذ اور تسمیہ کے معنی نہیں جانتا، اُسے دُنیا کی واحد نظریاتی مملکت (جس کی بنیاد اسلامی نظریہ پر ہے) کے لئے قانون سازی کا حق دینے پر اصرار کیوں کیا جا رہا ہے؟ یہ ساری اچھی چیزیں ضیاء الحق کے دور سے پہلے بھی 1973ء کے آئین میں موجود تھیں۔ اس دور میں تو ان پر کسی نے اعتراض نہیں کیا۔ اب اچانک ملک میں اور میڈیا میں ایک شور و غوغا برپا کیا گیا ہے، جو اس بات کی علامت ہے کہ ہم نے اللہ کے دین کے خلاف علم بغاوت اٹھا لیا ہے اور ہم ہر مثبت اور اچھے کام کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ اسی لئے تو ہماری پیٹھوں پر عذاب کے کوڑے برس رہے ہیں۔ سیکولر دانشور اور قوتیں ان باتوں کے ذریعے اپنے مغربی آقاؤں کو خوش کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ حکومتی سطح پر یہ غلامانہ ذہنیت کے حکمران اگر درسی کتابوں سے اسلامی تاریخ اور اسباق نکال رہے ہیں تو ہمارے دانشور (جو درحقیقت اقلیت میں ہیں) میڈیا کے ذریعے فکری حوالے سے زہر پھیلا رہے ہیں۔ بدقسمتی سے جن لوگوں کے ہاتھ میں میڈیا کی زمام کار ہے وہ بھی خدا کے نہیں، مغربی تہذیب کے بندے بنے ہوئے ہیں۔ اگر ساری پریشانی اس لیے ہے کہ 62، 63 کی دفعات ایک آمر نے آئین میں شامل کی ہیں تو عورتوں کو اسمبلی میں سیٹیں بھی تو ڈکیٹر پرویز مشرف نے دی ہیں، پھر وہ کیوں بھلی لگتی ہیں۔ یہ عورت اور مرد کے شانہ بشانہ چلنے کا ترانہ بھی تو مشرف نے ایجاد کیا ہوا ہے، اسے آپ کیوں گاتے ہیں؟ وہ تاریخ کا بدترین آمر تھا اور بزدل بھی تھا۔ ضیاء الحق ایک بہادر جرنیل تھا۔ اُس نے ایک سُپر پاور کو شکست دی تھی اور یہ اُس کا بہت بڑا کریڈٹ ہے۔ ان کے مقابلے میں مشرف تو ایک بزدل اور ڈرپوک جرنیل ثابت ہوا، جس نے ایک فون کال پر سب کچھ امریکہ کے قدموں میں ڈال کر پاکستان کا بیڑا غرق کر دیا۔ آپ اس کی ناجائز ترمیمات کو تو پسند کرتے ہیں مگر اخلاقی کردار اور اسلامی شقوں کے درپے ہیں۔

یہ روشن خیالی اور لبرل ازم پرویز کی اختراعات ہیں اور یہ اسلام کے خلاف پروپیگنڈا کا حصہ ہیں۔ دانشور طبقہ کا جسے مغرب کی اشیرباد حاصل ہے میڈیا پر مکمل قبضہ ہے۔ یہ لوگ مادر پدر آزادی چاہتے ہیں، تو ذرا اس کا نتیجہ امریکہ، فرانس اور دیگر یورپی ممالک میں جا کر دیکھیں، وہاں انسانیت کراہ رہی ہے۔ چند سال پہلے امریکی صدر

نے تاسف کے ساتھ یہ اعلان کیا تھا کہ بہت جلد امریکی آبادی کی اکثریت حرام زادوں پر مشتمل ہوگی۔ کیا ہمارے لبرلز بھی یہی چاہتے ہیں؟

ایک اور بدقسمتی یہ ہوئی کہ جب بھی اسلامی نظام انصاف اور عدل اجتماعی کی بات ہوتی ہے، سیکولر دانشور اس پر Theocracy (ملا کی حکومت) کا ٹھپہ لگا کر عوام کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ اسلام میں تھیوکریسی نام کی کوئی چیز نہیں۔ اسلام آسمانی شریعت اور اُس نظام کا علمبردار ہے جس کی ایک جھلک دنیا نے چودہ سو سال پہلے خلافت راشدہ کی شکل میں دیکھی ہے۔ اسلام میں ملوکیت اور بادشاہت کا کوئی تصور نہیں۔ اسلام میں دراصل قرآن اور سنت کی بالادستی کو قبول کرتے ہوئے ایک مشاورتی عمل کے ساتھ حکمرانی کا تصور ہے۔ یعنی آپ اللہ تعالیٰ کی معین کردہ حدود کے اندر اندر اپنے اجتماعی معاملات کے لئے وقت کے تہذیبی ارتقاء کی روشنی میں اداروں کی تعمیر کر سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کے اندر اندر اپنے معاملات طے کر سکتے ہیں۔ آپ مادر پدر آزاد ڈیموکریسی نہیں چلا سکتے۔ عوامی نمائندوں کی اکثریت بھی lesbianism اور جنسی بے راہ روی کو قانونی جواز فراہم نہیں کر سکتی جیسا کہ مغرب کے بہت سے ممالک اس معصیبت میں گرفتار ہو چکے ہیں۔

ہمارے دانشور عموماً یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ علامہ اقبالؒ اور قائداعظمؒ کے فرمودات کے خوشہ چین ہیں۔ ذرا ان دونوں محسنوں کے فرمودات تو پڑھیں۔ قائداعظم کے درجنوں فرمودات ایسے موجود ہیں جن میں انھوں نے کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر اسلام کو پاکستان کا قانون قرار دیا۔ ہمارے دانشوروں نے قائداعظم کے صرف 11 اگست 1947ء والے بیان کو لے کر اسے اپنی پسند کے معانی دے دیئے ہیں۔ یہ بہت بڑی منافقت ہے۔ یہ لوگ قائداعظم کے اس سلسلہ میں درجنوں دیگر فرمودات پر غور نہیں کرتے۔ قائداعظم نے کبھی سیکولر مملکت کا تصور نہیں دیا۔

ہمارے سیکولر دانشوروں نے موجودہ مسلمانوں میں باہمی فرقہ واریت اور منافرت کو بنیاد بنا کر اسلام کے خلاف زہرافشانی کی ہے۔ یہ لوگ دوسروں پر تو دہشت گردی اور انتہا پسندی کے لیبل لگاتے ہوئے ذرا نہیں ہچکچاتے لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ وہ خود انتہا پسندی کی آخری حدوں تک پہنچ چکے ہیں۔ انہیں بجا طور پر لبرل فاشسٹ کہا گیا ہے۔ اِن دانشوروں کی اکثریت کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ اپنے مفروضوں پر چل رہے ہیں۔ انھوں نے نہ تو کبھی قرآن کا مطالعہ کیا ہے اور نہ کبھی اسلام کے تصور مملکت ہی کو سمجھا ہے۔ مثلاً ایک صاحب 10 اپریل کو Frontierpost میں اپنے مطبوعہ مضمون میں فرماتے ہیں In democracy power lies with the people of the state.In theocracy or in religious state it can rest even an individual, if he is a staunch proponent of a certain faith اصل میں یہ حضرات ان اصولوں کو نہیں سمجھ پا رہے ہیں جن پر آج سماجی ارتقاء کے مطابق ایک اسلامی سٹیٹ کا تصور استوار ہے۔ اسلام نے معین شکل میں سٹیٹ کا کوئی تصور نہیں دیا، بلکہ اصول دیئے ہیں اور انہی اصولوں پر ایک اجتماعی نظام تشکیل دیا جا سکتا ہے۔ یہی اسمبلیاں ''قانون سازی'' کر سکتی ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ یہ قانون سازی ایک مسلمان اور نظریاتی ملک میں کتاب وسنت کی حدود کے اندر اندر ہوگی، اس سے باہر نہیں۔ آپ قانون وراثت پر جو اللہ نے قرآنی آیات میں خود طے کر لیا ہے کوئی اضافہ یا کمی نہیں کر سکتے، خواہ کتنی بھی اکثریت آپ کو حاصل ہو، بلکہ پوری اسمبلی آپ کے ساتھ ہو۔ ورثاء کے مقرر کردہ حصوں میں تھوڑی سی ترمیم بھی نہیں کی جا سکتی، کیونکہ اسلامی حکومت یا نظام حکومت میں Law giving اتھارٹی اللہ ہے۔ قانون سازی اس کے دیئے ہوئے اصولوں کے مطابق ہوگی۔ جہاں اللہ کا اور اللہ کے رسول ﷺ کا کوئی واضح حکم نہیں وہاں آپ دیئے گئے اصولوں کے تحت قانون سازی کر سکتے ہیں۔ یہی قانون سازی پارلیمنٹ کرے گی جو عوام کا منتخب شدہ ہے۔ ہاں اسلامی نظام حکومت میں ایک ادارہ سپریم کورٹ یا شریعت کورٹ اس کی مانیٹرنگ کرے گا کہ جو قانون سازی ہوئی ہے وہ شریعت اور خدائی اصولوں کے مطابق ہے یا نہیں۔ زمانے کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ نئے نئے مسائل سامنے آ رہے ہیں، ان کے لئے اجتہاد کرنا ہوگا۔ دورِ حاضر میں یہ کام بھی پارلیمنٹ کے ذریعے انجام پائے گا۔ یہ ادارہ عوام کا منتخب کردہ ہے، جسے عوامی حمایت حاصل ہے۔ نظام مملکت میں اس سے زیادہ عوامیت کا تصور کیا ہو سکتا ہے۔ اسلامی طرزِ حکومت کیسا ہوگا اسے حضور ﷺ کی ایک حدیث مبارکہ سے سمجھا جا سکتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ مومن کی مثال ایک گھوڑے کی سی ہے جو ایک کھونٹے سے بندھا ہوا ہے۔ ظاہر ہے، وہ گھوڑا اس رسی کی لمبائی کے مطابق نصف قطر کے دائرے میں گھوم پھر سکتا ہے، مگر اس لمبائی سے ایک انچ کی دوری پر بھی نہیں جا سکتا۔ یہی اسلامی طرز حکومت ہے۔ اِسے مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے ایک نئی اصطلاح دی ہے: تھیوڈیموکریسی۔

ہمارے یہ دانشور حضرات ہر وقت یہ راگ الاپتے ہیں کہ جمہوری حکومت کے مقابلے میں ''مذہبی حکمرانی'' خاندانی ہوتی ہے۔ اوّل تو ''مذہبی حکمرانی'' کی اصطلاح ہی غلط ہے۔ آپ اسلامی نظام یا دین کی حکمرانی کو تھیوکریسی (ملا کی حکومت) نہیں کہہ سکتے۔ اس کا صحیح نام ہے اللہ کی حاکمیت، نظام خلافت، نظامِ مصطفیٰ یا نظام عدل اجتماعی۔ دانشور حضرات ''ملاؤں کی حکمرانی'' جیسی اصطلاحات قصداً عمداً استعمال کرتے ہیں، تاکہ عام سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہ کریں۔ اسلام میں ''ملاّ ازم'' کا کوئی تصور نہیں۔ آپ جمہوریت کی بات کرتے ہیں۔ اسلام میں اللہ اور رسول ﷺ کی طرف سے طے شدہ معاملات میں کسی گنتی اور شمار یا اکثریت، اقلیت کی کوئی حیثیت نہیں۔ پھر یہ کہ کیا مملکت خداداد پاکستان میں جاری جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے کھیل کو آپ جمہوریت کیسے کہہ سکتے ہیں؟ یہ پی پی پی، ق لیگ، نواز لیگ، ایم کیو ایم، اے این پی، فنکشنل لیگ، اور جے یو آئی، یہ سب خاندانی اور موروثی گروپس ہیں جو اس بے بس قوم پر مسلط ہیں۔ کیا یہ آپ کی ڈیموکریسی ہے؟ یہ جماعتیں تو خاندانی لمیٹڈ کارپوریشن ہیں۔ آپ نے PPP اور لیگوں وغیرہ میں ٹکٹوں کی بندر بانٹ نہیں دیکھی؟ یہ کون سی ڈیموکریسی ہے؟ وہی کرپٹ لوگ پھر آستین چڑھا کر اس بدقسمت قوم پر ''آزادانہ'' اور ''شفاف'' انتخابات کے نتیجے میں مسلط کئے جا رہے ہیں۔ وجہ کیا ہے؟ الیکشن کمیشن نے ضابطے وضع کئے اور جونیئر اور نسبتاً نوجوان ریٹرننگ آفیسرز نے کرپٹ، ٹیکس چور، قرض نادہندگان اور لٹیروں کو چھانٹ کر نکالا۔ لیکن ان کو اسی الیکشن کمیشن کے اپیلیٹ کورٹس نے آنکھیں بند کر کے الیکشن لڑنے کی اجازت دے دی۔ یہ ڈیموکریسی تو نہ ہوئی۔ اگر ڈیموکریسی یہ ہو کہ کسی عوامی نمائندے سے کرپشن، بددیانتی اور لوٹ مار کا پوچھا نہ جائے تو ایسی ڈیموکریسی سے جنگل کا قانون بھلا۔ ایسی جمہوریت کو تین طلاق دیجئے اور اس کی

بجائے خلافت کے لئے آواز اٹھایئے، جس میں نمائندے جوابدہ ہوتے ہیں۔آپ کس ڈیموکریسی کی بات کرتے ہیں۔ جب آپ کی پارٹیاں خود ڈیموکریٹک نہیں ہیں، تو ملک میں ڈیموکریسی کہاں ہوئی۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ بھٹوزرداری کے بغیر پی پی کا کوئی تصور نہیں۔اسی طرح شریف برادران کے بغیر مسلم لیگ (ن) کا، الطاف اینڈ کمپنی کے بغیر ایم کیو ایم کا، مولانا فضل الرحمٰن کے بغیر جے یو آئی کا، اسفندیار ولی کے بغیر اے این پی کا کوئی تصور نہیں۔

آپ پاکستان کے اساسی نظریے پر وار کرتے ہیں اور آپ کا موقف یہ ہے کہ پاکستان کو نظریے کے جال سے نکال لیں تو یہ ترقی کرے گا، جبکہ یہ تو پاکستان کی جڑ بنیاد پر کلہاڑی چلانے کا مترادف ہوگا۔ پاکستان سے اگر اسلامی نظریے کو منفی کرلیا جائے تو باقی صفر بچے گا۔ اس لیے کہ پاکستان میں جتنی قومیتیں ہیں ان کا اسلامی نظریے کے بغیر باہمی کوئی جوڑ ہی نہیں۔ پختون اور پنجابی، پنجابی اور مہاجر، سرائیکی اور سندھی، بلوچی اور شمالی علاقہ جات کے باسی اور قبائلی، یہ تمام قومیں کلچر، زبان، عادات واطوار سب چیزوں میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ان کو صرف ایک ہی چیز باہم جوڑ کر رکھ سکتی ہے اور وہ ہے پاکستان کا اساسی نظریہ یعنی پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ۔ اگر آپ اس کو ہٹا دیں تو آپ کا یہ محل دھڑام سے نیچے آگرے گا۔

کوئی بھی باشعور مسلمان مذہبی فرقہ واریت کو پسند نہیں کرتا کیونکہ یہ اسلام کی تعلیمات اور اخوت کے منافی ہے۔ لیکن اس کو بہانہ بنا کر آپ اسلام کو دیس نکالا نہیں دے سکتے۔ مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ مذہبی منافرت اور فرقہ واریت جیسے عفریت کے خلاف متحد ہو کر زبردست علمی، تحریری اور تقریری جہاد کریں، لوگوں کو سمجھائیں اور اس عفریت کو دیس نکالا دیں۔ دانشور حضرات اکثر یہ سوال کرتے ہیں کہ پاکستان میں کس کا اسلام نافذ کیا جائے گا۔ یہ سوال بدنیتی پر مبنی ہے، کیونکہ یہ بات تو بہت پہلے تمام مکاتب فکر کے علماء نے باہمی اتفاق رائے سے طے کر دی تھی کہ یہاں پر قرآن وسنت کا اسلام نافذ کیا جائے۔ یہ بات کب کی طے ہو چکی ہے۔ رہی بات فقہی اختلاف کی، تو ہمارے دانشور ایران کے معاملہ میں ہمیشہ ایک حسن ظن رکھتے ہیں۔ اسی ایران کی تقلید کرتے ہوئے ہم اس مسئلہ پر بھی بآسانی قابو پا سکتے ہیں۔ ایران میں اکثریت اہل تشیع کی ہے، لہٰذا وہاں پر ان کی فقہ کو Law of th land بنایا گیا ہے۔ اسی اصول کو تسلیم کر کے ہم یہاں اکثریت کی فقہ پر اصولی طور پر کاربند ہو سکتے ہیں۔ پاکستان میں چونکہ اکثریت سنیوں کی ہے لہٰذا یہاں بھی اگر اسی اصول کو مان لیا جائے تو یہ مسئلہ خوش اسلوبی سے حل ہو سکتا ہے۔ ہر مکتب فکر کو ان کی پرائیوٹ لائف میں آزادی حاصل ہو۔ قانون کا اصل ماخذ قرآن وسنت ہو، اور Law of the land کی چھتری کے تحت تمام فرقوں، مسلکوں، اقلیتوں اور غیر مسلموں کو پرسنل لاء کی آزادی ہو۔ وہ جیسے چاہیں شادی بیاہ کریں، جس طرح چاہیں عبادت کریں، اپنے مردے کو دفنائیں۔ تمام فرقوں اور اقلیتوں کی انسانی حقوق کے تحفظ کی گارنٹی اسلامی حکومت دے گی۔ یہ ایک ایسا متبادل ہے جس پر شیعہ سنی سب اتفاق کر سکتے ہیں۔

رہی بات فرقہ واریت کی بنیاد پر مخالف فرقوں کے خلاف تشدد کی تو اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ حقیقی اسلامی تصور اور اصل اسلامی نظام حکومت قائم نہیں ہے۔ لہٰذا ایک جاہلیت اور بے علمی کا دور دورا ہے۔ اس لئے فرقہ وارانہ تعصب اور دشمنی کو سر اُٹھانے کے مواقع مل رہے ہیں۔ پھر بیرونی ایجنسیاں اور اسلام دشمن قوتوں کی سازشیں بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہی۔ اگر ہم اسلام کے نظام عدل اجتماعی یا خلافت کے قیام کے لئے جدوجہد کریں اور اُمت کے اس گم گشتہ ادارہ کو بحال کر دیں تو ہر قسم کے مسلکی جھگڑے اس عظیم ادارہ کے نیچے دب کر غیر مؤثر ہو جائیں گے۔

اسلام دین ہے۔ اس کا ایک اجتماعی نظام ہے۔ یہ مذہب کے مروجہ محدود تصور سے ماوراء ہے۔ مذہب کا تصور عقائد، عبادات اور چند معاشرتی رسومات تک محدود ہے، جبکہ تصور دین آپ کی ذاتی، ملکی اور ملی زندگی کا بھی احاطہ کرتا ہے، جس میں آپ کا سماجی، سیاسی اور معاشی نظام اللہ کے دیئے ہوئے دین کے مطابق استوار ہوتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارے دانشور حضرات اوّلاً اللہ کی حاکمیت اور اپنی بندگی کی حیثیت کو دل کی گہرائیوں سے تسلیم کریں۔ پھر بحیثیت مسلمان یہ تسلیم کرلیں کہ اللہ کے آخری نبی ﷺ الصادق والمصدوق نے نہ صرف ذاتی بلکہ اجتماعی زندگی کے لئے ایک پورا آسمانی نظام انسانیت کے سامنے ایک ماڈل کے طور پر پیش فرمایا۔ جس میں تصور حاکمیت، تصور امانت اور تصور عدل کو عملی طور پر نافذ کیا گیا۔ نبی اکرم ﷺ کے بعد کوئی پیغمبر آنے والا نہیں، لہٰذا اُمت کی یہ ذمہ داری ہے کہ ہر فرد نہ صرف خود اللہ کی بندگی اختیار کرے، بلکہ دوسروں کو اللہ کی بندگی اختیار کرنے کی دعوت دے اور اللہ کے دیئے ہوئے اصولوں پر ایک اجتماعی نظام عدل کے قیام کی جدوجہد کرے۔ یہی فرائض دینی کا جامع تصور ہے اور اس کا اطلاق ہر کلمہ گو پر ہوتا ہے خواہ وہ عالم ہو یا دانشور ہو، سیاستدان ہو یا قلمکار، مصنف ہو یا مفکر، اُستاد ہو یا طالب علم ہو، آجر یا مستاجر ہو، مرد ہو یا عورت ہو۔ آپ ان ذمہ داریوں کو تسلیم کریں تو آپ پر خود بخود اسلامی نظام زندگی کے حقائق کھلتے چلے جائیں گے۔

اس کا تو کوئی علاج نہیں کہ ہمارے دانشور حضرات جہاں بھی اسلام یا اسلامی نظام کے متعلق بات ہو اس کے خلاف زبان اور قلم کا بے تحاشا استعمال شروع کر دیتے ہیں۔ یہ رویہ نہ علمی ہے اور نہ اخلاقی ہی۔ ایسا لگتا ہے کہ اس ملک (پاکستان) میں اسلام اور اسلامی اقدار سیکولر ذہنیت کے لوگوں کو قطعاً قابل قبول نہیں۔ اس پر یہی کہا جا سکتا ہے کہ عقل ودانش کا تقاضا تو یہ نہیں ہے جناب!

سیکولر حضرات اپنے مضامین میں یہ کہتے ہیں کہ تمام مذاہب کا آخری سبق اخلاقیات، صداقت ودیانت ہے۔ پھر یہ لوگ آئین کی دفعات 62,63 پر اتنا واویلا کیوں کرتے ہیں، جس میں اِنہی باتوں کو آئین کا حصہ بنایا گیا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ جتنے بھی مذاہب ہیں خواہ وہ آسمانی ہیں یا فلسفیانہ تمام ہی اچھے اخلاق وکردار کی تعلیم دیتے ہیں، لیکن (اور یہ بہت بڑا لیکن ہے) ہم مسلمان ختم نبوتؐ پر ایمان رکھنے والے یہ پختہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اخلاق، صداقت، امانت اور خود اسلامی کردار وعقائد کی وہی تعبیر اور تشریح صحیح، درست اور ہمارے لئے ناگزیر ہے جو حضور اکرم ﷺ یا آپؐ کے صحابہ کرامؓ نے کی ہے یا جن کی تصدیق ان کی سیرتوں سے ہوتی ہو۔ ہمارے لئے یہی ذرائع اسوہ ہیں۔ ان لبرل اور ''روشن خیال'' دانشور حضرات سے نہایت عاجزانہ درخواست ہے کہ دُنیا کے حقیر فائدے یا اپنے نفس امارہ کی تسکین کی خاطر ذہنی انتشار اور فکری بے راہ روی پھیلا کر اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت نہ دیں۔ ایسے کرنے میں آپ کی دُنیا اور آخرت دونوں میں تباہی وبربادی ہے۔ آپ کے پاس آپ کا علم، فہم اور قلم اللہ کی امانت ہیں۔ لہٰذا اس کے تصرف میں بہت محتاط رہیں۔

امیر حلقہ پنجاب جنوبی کا خانیوال بار کونسل سے خطاب

امیر حلقہ جنوبی پنجاب ڈاکٹر محمد طاہر خاکوانی نے 6 اپریل کو خانیوال بار کونسل سے خطاب کیا۔ اس پروگرام کے لئے خانیوال کے رفقاء خصوصاً ذوالفقار صاحب نے بھرپور محنت کی۔ پروگرام کا آغاز ساڑھے گیارہ بجے تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ بعدازاں ہدیہ نعت پیش کیا گیا۔ جس کے بعد خانیوال کے نوجوان رفیق غلام محی الدین نے ''نبی اکرم ﷺ کا مقصد بعثت'' کے موضوع پر مختصر گفتگو کی۔ امیر حلقہ کا موضوع گفتگو ''اسلام اور پاکستان'' تھا۔ انہوں نے اپنے مفصل خطاب میں دو قومی نظریہ کی وضاحت کی، اور واضح کیا کہ پاکستان کے قیام کی اساس ''اسلام'' ہے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان 27 رمضان المبارک کو معرض وجود میں آیا۔ قائداعظم اور علامہ اقبال کے تصور پاکستان کے حوالے سے انہوں نے کہا کہ وہ ایک ایسی ریاست کے قیام کے خواہاں تھے جہاں خلافت راشدہ کی طرز پر اسلام کا نفاذ ہو سکے۔ انہوں نے جمہوری مغربی نظام حکومت پر سخت تنقید کی۔ خطاب کے بعد سوال و جواب کی نشست ہوئی۔ بعدازاں رفقاء تنظیم کی طرف سے شرکاء پروگرام کے لئے تواضع کا اہتمام کیا گیا۔ نماز ظہر کے بعد نقیب اسرہ خانیوال کے گھر پر ظہرانہ دیا گیا۔ اس کے بعد ملتان واپسی ہوئی۔ الحمد للہ یہ پروگرام بہت مفید رہا۔ بار کونسل کا ہال سامعین سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ (مرتب: شوکت حسین انصاری)

حلقہ خیبر پختونخوا جنوبی کے زیر اہتمام ایک روزہ سہ ماہی اجتماع

تنظیم اسلامی حلقہ خیبر پختونخوا جنوبی کے زیر اہتمام سہ ماہی اجتماع 17 مارچ 2013ء کو صبح آٹھ بجے تا نماز عصر جامع مسجد ابوبکرؓ سعد اللہ جان کالونی جی ٹی روڈ پشاور میں منعقد ہوا۔ اجتماع سے قبل پورے حلقہ میں تیاریاں شروع کر دی گئیں اور تناظیم کو یہ ہدایت کی گئی کہ وہ زیر دعوت احباب کو ساتھ لے کر آئیں، تاکہ ان کے سامنے بھرپور انداز میں دعوت پیش کی جا سکے۔ اس ضمن میں نوشہرہ کے رفقاء میں خاصی گرمجوشی نظر آئی۔ تنظیم اسلامی نوشہرہ کے ناظم دعوت وتربیت قاضی فضل حکیم کی طرف سے 100 افراد لانے کا ٹارگٹ دیا گیا تھا۔ احباب کو دعوت دینے کے لئے باقاعدہ دعوت نامے تیار کیے گئے اور نوشہرہ میں تین مقامات پر گاڑیوں کا انتظام کیا گیا۔ پورے شہر سے اور خاص طور پر زیارت کاکا صاحب کے علاقے سے بہت سے احباب پروگرام میں شریک ہوئے۔ مجموعی طور پر 70 افراد کا قافلہ پشاور پہنچا۔ مردان سے تین کوہاٹ سے 2 اور پشاور سے 7 احباب نے پروگرام میں شرکت کی۔ اسی طرح تنظیم اسلامی پشاور شہر سے 28 پشاور صدر سے 9، پشاور غربی سے 14، اُسرہ کلپانی سے 3 رفقاء اور 18 منفرد رفقاء اجتماع میں شریک ہوئے۔

اجتماع کا باقاعدہ آغاز ناظم حلقہ جناب خورشید انجم کی تمہیدی گفتگو سے ہوا۔ ان کے بعد امیر تنظیم اسلامی پشاور شہر انجینئر طارق خورشید نے ''آداب مجلس'' بیان کیے۔ مردان سے سینئر رفیق ڈاکٹر حافظ محمد مقصود نے ''فرائض دینی اور التزام جماعت'' کے موضوع پر سیر حاصل گفتگو کی، جس میں انہوں نے ایک انسان اور پھر ایک مسلمان کے فرائض پر روشنی ڈالی۔ وائٹ بورڈ کی مدد سے ڈاکٹر صاحب نے تفصیل سے ایمان، بندگی، دعوت بندگی اور نظام بندگی پر قرآن وسنت کی روشنی میں گفتگو کی۔ اس کے بعد قاضی فضل حکیم کا حب الٰہی کے موضوع پر خطاب ہوا اور شرکائے محفل کی چائے بسکٹ سے تواضع کی گئی۔ بعدازاں جناب شفاء اللہ نے توہین رسالت کا اصل مرتکب کون؟ کے موضوع پر فکر آموز خطاب کیا۔ ڈاکٹر وقار الدین نے انتخابی وانقلابی جدوجہد کا تقابلی جائزہ کے موضوع پر لیکچر دیا۔ انہوں نے واضح کیا کہ انتخابی عمل کسی نظام کو چلانے کے لئے ہوتا ہے، بدلنے کے لئے نہیں۔ انتخابی عمل میں معیار اکثریت ہوتی ہے جبکہ انقلابی عمل میں تقویٰ اور علم۔ پہلے میں جزوی اصلاح کی کوشش کی جاتی ہے جبکہ دوسرے میں کلی تبدیلی کی۔ انہوں نے کہا کہ انتخابی جلسہ میں تو نماز باجماعت کا اہتمام تک نہیں ہوتا، اپنے اوپر خلافت قائم کرنا اور پھر بڑے علاقے میں نظام خلافت قائم کرنا تو بڑے دور کی بات ہے۔ یہاں جماعت کی رکنیت فارم بھرنے سے ملتی ہے، جبکہ اسلامی انقلابی تحریک میں شمولیت مسنون بیعت سے ہوتی ہے۔ انتخابی عمل میں ان لوگوں کی اہمیت ہوتی ہے جو الیکشن جیت سکیں، جبکہ انقلابی عمل میں انسان کو فوقیت اس کے تقویٰ اور انفاق

جان و مال سے ملتی ہے۔ ایک سوال کے جواب میں انہوں نے انقلاب نبوی کا خاکہ سمجھایا اور اس موضوع پر بانی تنظیم اسلامی کی معرکہ آرا کتابوں منہج انقلاب نبویؐ اور رسول انقلاب کا طریقہ انقلاب کے مطالعے کی تلقین کی۔ اس کے بعد حلقہ خیبر پختونخوا جنوبی کا سہ ماہی اجتماع شوریٰ منعقد ہوا جبکہ اس دوران میں بقیہ شرکاء اور بالخصوص احباب کا مختصر تعارف ہوا۔ یہ پروگرام جناب وارث خان اور قاضی فضل حکیم نے کنڈکٹ کروایا۔ نماز ظہر کے بعد ناظم حلقہ جناب خورشید انجم نے ایک حبیب محمد ابراہیم کا خط پڑھ کر سنایا جو بوجوہ پروگرام میں شرکت نہ کر سکے۔ اس خط میں موصوف نے رفقاء تنظیم کو دردمندانہ نصیحتیں کی تھیں۔ ظہرانہ کے بعد پروفیسر ڈاکٹر محمد شاہین تنولی نے ''قرآن ھدی للناس'' کا موضوع پروجیکٹر کی مدد سے نہایت خوبصورت انداز میں پیش کیا۔ اس کے بعد بانیٔ محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے خطاب کی ویڈیو دکھائی گئی جس کا موضوع تھا ''ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ۔'' اس دوران شرکاء کو چائے بھی پیش کی گئی۔ آخر میں نائب ناظم اعلیٰ خیبر پختونخوا میجر (ر) فتح محمد کا خطاب ہوا۔ انہوں نے رفقاء واحباب کا اجتماع میں شرکت پر شکریہ ادا کیا اور بہترین انتظامات کو سراہا۔ اس کے بعد نماز عصر ادا کی گئی اور اجتماع کے اختتام کا باقاعدہ اعلان کیا گیا۔ بعدازاں تناظیم، اُسرہ جات اور منفرد رفقاء کو تعارفی کارڈز بھی دے دیئے گئے جو ان لوگوں میں تقسیم کرنے کے لئے تھے جو کسی بھی درجے میں تنظیم سے واقف نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ ہماری اس سعی کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرما کر ہمارے لئے توشۂ آخرت بنا دے۔ (آمین) (رپورٹ: محمد سجاد یوسف/محمد عادل)

حلقہ خیبر پختونخوا جنوبی کے زیر اہتمام کوہاٹ میں دوروزہ دعوتی پروگرام

گزشتہ دنوں تنظیم اسلامی حلقہ خیبر پختونخوا جنوبی کی جانب سے کوہاٹ کا دوروزہ دعوتی دورہ طے کیا گیا۔ دعوتی قافلہ 12 افراد پر مشتمل تھا۔ امیر قافلہ وارث خان (ناظم دعوت تنظیم اسلامی پشاور) کو مقرر کیا گیا اور نائب امیر راقم کو جو کہ کوہاٹ کا رہائشی ہے اور علاقوں سے واقف ہے۔ گیارہ بجے پشاور سے کوہاٹ روانگی ہوئی۔ بارش کی وجہ سے موسم بہت خوشگوار تھا۔ ایک بجے کے بعد یہ قافلہ کوہاٹ پہنچ گیا۔ جہاں فہد اللہ اس قافلے کو لینے کے لئے Bypass پر اپنی گاڑی میں خود تشریف لائے۔ ان کے گھر پہنچ کر نماز ظہر ادا کی گئی۔ اس کے بعد میزبان نے پُر تکلف ظہرانہ دیا۔ اِس دوران گفت وشنید اور تعارف ہوتا رہا۔ فہد اللہ نے فیصل آباد سے کیمیکل انجینئرنگ کی ہے اور قرآن اکیڈمی فیصل آباد سے مستفید ہوتے رہے۔ وہ بانی تنظیمؒ کے دروس میں بھی شریک ہوتے رہے اور 2007ء سے تنظیم میں شامل ہیں۔ ان کے والد صاحب، چچا، بھائی اور ایک دوست سے بھی ملاقات ہوئی۔ جناب وارث خان کی ہدایت پر قرآن مجید کے حقوق کا مذاکرہ ہوا جس میں سب شرکاء نے اپنا حصہ ڈالا۔ سہ پہر چار بجے رفقاء قافلہ تنظیم اسلامی کوہاٹ کی لائبریری میں گئے، جہاں راقم کے بھائی محمد شیراز اور ڈاکٹر قاضی طاہر الدین سے ملاقات ہوئی۔ انہی کے میڈیکل سنٹر

تنظیمی اطلاع

مقامی تنظیم ''سرجانی ٹاؤن'' میں طارق امیر پیرزادہ کا بطور امیر تقرر

امیر حلقہ کراچی شمالی کی جانب سے مقامی تنظیم سرجانی ٹاؤن میں تقرر امیر کے لئے موصولہ اُن کی اپنی سفارش اور رفقاء کی آراء کی روشنی میں امیر محترم نے مرکزی مجلس عاملہ کے اجلاس منعقدہ 25 اپریل 2013ء میں مشورہ کے بعد جناب طارق امیر پیرزادہ کو مقامی تنظیم کا امیر مقرر فرمایا۔

مقامی تنظیم ''میانوالی'' میں نور خان کا بطور امیر تقرر

امیر حلقہ سرگودھا کی جانب سے مقامی تنظیم میانوالی میں تقرر امیر کے لئے موصولہ اُن کی اپنی سفارش اور رفقاء کی آراء کی روشنی میں امیر محترم نے مرکزی مجلس عاملہ کے اجلاس منعقدہ 25 اپریل 2013ء میں مشورہ کے بعد جناب نور خان کو مقامی تنظیم کا امیر مقرر فرمایا۔

میں لائبریری اور تنظیم کا دفتر کھولا گیا ہے۔ سید علیم شاہ، ہومیو ڈاکٹر عبدالرشید، حمید اصغر، ڈاکٹر اختر منیر سے بھی ملاقاتیں ہوئیں۔ نماز عصر کے بعد امیر قافلہ نے جہاد کے موضوع پر گفتگو کی اور تعارفی کارڈ بھی تقسیم کیے گئے۔ نماز مغرب کے بعد عبادت رب پر بیان ہوا اور ہینڈ بلز تقسیم کئے گئے۔

رات کے قیام کے لئے میڈیکل سنٹر کے کمروں میں انتظامات کئے گئے تھے، جس کے لئے ڈاکٹر صاحب نے خصوصی انتظامات کئے۔ جناب وارث خان اور راقم سید علیم شاہ کے گھر واقع بہاول نگر (کوہاٹ) گئے۔ وہاں سید عبید اللہ سے ملاقات ہوئی۔ بعد نماز عشاء واپسی ہوئی۔ رفقاء ندائے خلافت کے مطالعہ میں اور راقم عشائیہ کے انتظام میں مشغول ہوگیا۔ یہ عشائیہ ڈاکٹر قاضی طاہر الدین کی طرف سے دیا گیا تھا۔ کھانے کے بعد آرام کا وقفہ کیا گیا۔

اگلی صبح نماز فجر، تلاوت اور ناشتہ کے بعد ساڑھے آٹھ بجے دوبارہ سید علیم شاہ کی طرف بہاولنگر روانگی ہوئی۔ مسلسل بارش تھی۔ وہاں مسجد میں سوال وجواب جاری رہا اور امیر قافلہ کی ہدایت پر رفیق تنظیم اسد اللہ نے دینی فرائض کے جامع تصور پر خطاب کیا۔ اس کے بعد گیریژن کیڈٹ کالج کوہاٹ گئے جہاں مختلف لیکچرار اور اسسٹنٹ پروفیسر سے ملاقات ہوئی، جن میں ماجد خان، ابراہیم شاہ، ساحر گل، عبدالغفور، زوار خان، ریاض حسین، نثار اللہ، حفیظ اللہ، مولانا عطاء الرحمٰن اور دیگر شامل تھے۔ امیر قافلہ نے منہج انقلاب نبویؐ پر بیان کیا اور انتخابی اور انقلابی سیاست کے مابین فرق واضح کیا۔ سوال وجواب کی نشست بھی ہوئی۔ نماز ظہر کے بعد راقم نے طلبہ سے گفتگو کی اور انہیں زندگی کا نصب العین معین کرنے کی تلقین کی۔ کالج کے اساتذہ کرام کو کتابچے اور ہینڈ بلز کے مکمل سیٹ ہدیہ کر دیئے گئے۔ سوا دو بجے تک واپسی ہوگئی۔ اس کے بعد کوہاٹ کے ایک ملحقہ گاؤں بلی ٹنگ جانے کا پروگرام تھا، لیکن تیز بارش کی وجہ سے یہ پروگرام منسوخ کرنا پڑا۔ اس کے بجائے رفقاء مین بازار کی طرف گئے اور وہاں مختلف اطراف میں تنظیم اسلامی کے تعارفی کارڈز تقسیم کیے گئے۔ تقریباً چار بجے کے بعد یہ قافلہ واپس پشاور روانہ ہوا۔ رفقاء واحباب نے ہمیں دُعاؤں کے ساتھ رخصت کیا۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ رفقاء کی سعی اور مجاہدہ کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرمائے اور انہیں دین ودنیا میں عافیت وترقی نصیب فرمائے۔ آمین (رپورٹ: محمد سجاد یوسف)

☆☆☆☆☆

الفوز اکیڈمی، اسلام آباد
کے زیر اہتمام
دین کے جامع تصور، فکری، علمی اور عملی تربیت کے لیے
اِقامتی کورسز
جدید تعلیم یافتہ افراد، طلباء، ڈاکٹروں، انجینئروں اور مدرسین قرآن وغیرہ کے لیے کم وقت میں قرآنی عربی سیکھنے کا نادر موقع
تعلیم و رہائش مفت
کم سے کم لیاقت انٹرمیڈیٹ، گریجویٹ افراد کو ترجیح دی جائے گی
11 روزہ فہم دین کورس 10 جون تا 21 جون 2013ء
زرطعام کتب 3,000 روپے کے ساتھ آج ہی اپنا نام رجسٹر کرائیے۔
17 روزہ قرآنی عربی کورس 22 جون تا 8 جولائی 2013ء
زرطعام کتب 4,000 روپے کے ساتھ آج ہی اپنا نام رجسٹر کرائیے۔
ہر لیکچر کے ساتھ کتاب یا ہینڈ آؤٹ فراہم کیا جائے گا
الفوز اکیڈمی / 0333-5218914 051-2222418 , 2518829
E-11/4، سٹریٹ نمبر 15، اسلام آباد

حرفِ عقیدت

بیادِ ڈاکٹر اسرار احمدؒ

یاسر عرفات طلبگار، جموں وکشمیر

بزمِ اسلام کا اِک نورِ فروزاں تھا تو
گلشنِ علم میں اک نالۂ سوزاں تھا تو
گم کئی علم کے دریا میں شناور دیکھے
ژرفِ دریا کا وسیع ایک صدفداں تھا تو
رہتی دنیا تیرے افکار سے پائے گی اُمنگ
حُسنِ گفتار سے پُر ایک خیاباں تھا تو
تیری تنویر کے پرتو سے شرارے پھوٹے
دین اسلام کا اک کوکب تاباں تھا تو
تیرے گفتار کو کردار سے تولا سب نے
سب نے جانچا تو کہا حامل قرآں تھا تو
دین حق، دین خدا تو نے کی خدمت اِس کی
رب کی رحمت سے بڑا داعیٔ دوراں تھا تو
ترکِ آرام کیا تو نے خدا کی خاطر
اِس گئے وقت میں بھی مردِ مسلماں تھا تو
تو نے کی حضرت احمدؐ سے وفا خوب ہی کی
آخری سانس تلک فرحاں و شاداں تھا تو

ضرورت رشتہ

☆ سیالکوٹ میں رہائش پذیر شیخ فیملی کو اپنی بیٹی عمر 32 سال، تعلیم ایم ایس سی میتھ نیک سیرت وخوبصورت، کے لئے پڑھے لکھے نیک برسرروزگار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ مخلص سرپرست رابطہ کریں۔ برائے رابطہ: 0321-7413900

☆ گورنمنٹ ڈگری کالج کے ایک سابق پرنسپل کو اپنے 26 سالہ بیٹے تعلیم B.A IATA (Canada)، معقول آمدن، قد چھ فٹ ایک انچ کے لئے رشتہ درکار ہے۔ پڑھی لکھی موحد فیملی سے اعلیٰ تعلیم یافتہ لڑکی کو ترجیح دی جائے گی۔ ذات پات کی قید نہیں البتہ لڑکے کا تعلق مغل فیملی سے ہے۔ برائے رابطہ: 0324-6454124

☆ 26 سالہ لیڈی ڈاکٹر، BDS برسرروزگار (پرائیوٹ ہسپتال)، صوم وصلوٰۃ کی پابند کے لئے دینی مزاج کے حامل انجینئر یا ڈاکٹر کا رشتہ درکار ہے۔ لاہور کے رہائشی حضرات کو ترجیح دی جائے گی۔ برائے رابطہ: 0331-5496066

☆ ملک اعوان فیملی کو اپنی 33 سال نیک سیرت، سلیقہ شعار بیٹی (مطلقہ، چھ سالہ بیٹا ہمراہ ہے) یونیورسٹی میں لیکچرار کے لئے دینی مزاج کے حامل برسرروزگار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: 0300-4989970

Muhammad Raza-ul-Haq

RELIGIOUS EPISTEMOLOGY UNRAVELS THE MYTH OF "CENTRIST ISLAM"

The post-9/11 world has witnessed rumpus regarding polarization within the Muslim community, in guise of the war for 'winning the hearts and minds' of the masses. Likewise, the significance of Islam in today's Pakistan has increasingly become the subject of heated debate in academic and journalistic circles of the country, with cynics challenging the traditionally held view regarding the role of Ideology in the genesis of the country. While the claims made by most analysts regarding the existence of ideological schism in our society are essentially pragmatic, proposed ways forward border the fantastic. In this article we argue that the unique political identity of Islam derives neither from secularist nor centrist philosophies. We also embark on addressing the pivotal problem of epistemological foundations employed in dealing with themes such as this.

Traumatized by the barrage of assaults on the ideological front, Muslim Scholarship appears to recoil when grilled on the question of Islamic polity. Consequently, contemporary Muslim pundits, downtrodden and apologetic, concede involuntarily to the notion of a moribund Islam, shy of employing the basic building blocks of Islamic exegesis while founding their arguments; the Quran and the Sunnah. This is coupled with their reluctance to quote prophetic references from the hadith when analyzing the problems faced by today's world. Their inability to respond to the challenges of this age is compounded when faced with issues considered as taboo in the discourse established by the modern western civilization. Muslim scholars, hence, make all possible effort to mellow such injunctions of the Qur'an and the Sunnah that are deemed incompatible with ideals of the modern west. Consequently, abstract ideas such as extremism, fundamentalism, falsehood, immodesty; and their opposites, are often narrated in a connotation which has been determined by the secular ideology prevalent in the modern West. We argue that unless Muslims subscribe to the epistemology explained by the Qur'an and the Sunnah, they stand no chance of reverting to original thought, which could provide an alternative solution to the intellectual challenges facing mankind today.

Modern-day definition of almost all abstract notions is secular, deciphered and developed in isolated and myopic domains. Islam, on the other hand, emphasizes on exercising an intellectual discourse that is holistic and transcendental in its essence. It integrates the material with the spiritual to develop a sum total that relates to life in this world and in the Hereafter. A 'system of belief' that incorporates Allah, His messengers and the Hereafter is pivotal to its line of reasoning. A Muslim cannot dispense with the Islamic system of belief in course of an intellectual dialogue.

Islamic epistemology is 'two-eyed', with divine guidance and inspiration being one and rational enquiry being the other. Major sources of the former are exclusively religious, comprising the Quran, the Sunnah, divine inspiration and intuition. The latter is firmly rooted in the phenomenon of cause and effect relationships based on sensory perception. Islam seeks to nourish a seamless blend between the two, prepared to function as a harmonious whole.

The point of departure is that modern western thought relies exclusively on rational enquiry. Its civilization and philosophy judge pairs of opposing abstract values such as extremism

and moderation, fundamentalism and tolerance, radicalization and enlightenment, democracy and fascism, justice and tyranny, etc. on the basis of self-professed, one-eyed parameters. These pseudo ideals may be camouflaged to appear appealing in theory, but invariably fail the test of time. The inevitable outcome is an intellectual paradigm which is the modern-day equivalent of the Orwellian doublethink and doublespeak . The war on Islam is euphemized as war on terror . Worst still, these ideals keep shape shifting in time and space. The raison d état for Western military interventions in Iraq, Libya and Syria does not apply to tyrannies in Saudi Arabia, Bahrain and Qatar. Apartheid is acknowledged to exist in South Africa but not in the Zionist entity called Israel.

The Holy Prophet a is reported to have said:

> Dajjal (Anti-Christ) sees with one eye. He is blind in the right eye. His (left) eye looks like a bulging grape! But your Lord is not one eyed. Between his eyes, on his forehead, are written the letters Kaf, Fa, Ra (unbeliever). Every *Momin* (believer), whether literate or illiterate, will be able to read it.
>
> [*Sahih Muslim; Jamia Al-Tirmdihi*]

The hadith draws our attention to eschatology, an indispensable binary partner of epistemology in this age. Eschatology refers to deciphering religious symbolism in order to reach informed conclusions about the end times. The said hadith from an eschatological viewpoint informs us that Iman (faith) would play an important role in generating clarity of thought in the end times. It would serve Muslim scholars well to study the branch of knowledge called Islamic Eschatology, in order to explain the events unfolding in the world today. This branch of knowledge has the capacity to give Ta wil (interpretation) to those verses of the Quran and Hadith which, symbolically, shed light on the contemporary issues faced by mankind.

The Quran also directs our attention to the attributes of the most learned of people in the last age. Khidr, we are informed, can be found at a place where the two oceans meet (Quran 18:60). Imam Bed awi, an early commentator of the Quran, explains that these two oceans are that of knowledge externally acquired and that of knowledge internally received. Modern secular thought, unfortunately, subscribes to the external element of knowledge alone, rendering itself unable to perceive reality as it is. Muslims are told to uphold the truth regardless of the consequences they have to face. Allah says in the Quran:

> O People of the Scripture! do not commit excess in your religion or say about Allah except the truth. The Messiah, Jesus, the son of Mary, was but a messenger of Allah and His word which He directed to Mary and a soul (created at a command) from Him. So believe in Allah and His messengers. And do not say, Three ; desist --- it is better for you. Indeed, Allah is but one God. Exalted is He above having a son. To Him belongs whatever is in the heavens and whatever is on the earth. And sufficient is Allah as Disposer of affairs. [*Al-Nisa*; 171]

The verse enunciates profound messages for people of the book i.e., Jews and Christians, and for humanity at large. It also directs attention of Muslims towards the Truth as Allah envisions it. The verse demonstrates the ideological divide that is bound to exist. An elementary analysis of the Quran discloses the fact that the word of Allah has not been sent as a crowd pleaser . It is intended to function as a book of guidance and informs us that people will invariably set themselves up in two camps, adhering to conflicting ideologies, which are segregated elsewhere in the Quran as *Hizb Allah* and *Hibz-as-Shaitan*. Similarly, in His divine wisdom, Allah has created two post-

judgment abodes in the Hereafter; *Jannah* (Heaven) and *Jahannam* (Hell). It logically follows that Allah cherishes only such diversity that remains within the realms of His will.

It is fitting to reiterate that Muslims are required to challenge all ideologies that rival the system revealed by Allah through His apostles. The Quran names that system as 'Islam the Deen' and asserts its absolute hegemony over all rivals. Islam is inherently configured to defy the Deen of 'Falsehood' and will always battle efforts to subdue and assimilate it with rival political, economic and social orders or Deens. The Quran explains the underlying reason for the manifest conflict that exists between the modern secular world order and Islam when it says:

> "They want to extinguish Allah's (guiding) light with their utterances: but Allah will not allow (this to pass), for He has willed to spread His light in all its fullness, however hateful this may be to all who deny the truth. He it is who has sent forth His Apostle with the [task of spreading] guidance and the Deen of truth, to the end that He may cause it to prevail over all [false] Deen --- however hateful this may be to those who ascribe divinity to aught beside Allah."
>
> [*Al-Tauba*; 32-33]

Islam, nevertheless, allows absolute ideological freedom to all, in individual and community life, and vows to protect the life, property and dignity of all human beings, irrespective of caste creed or religious affiliation. On the contrary, we notice that the modern secular state and its imperialistic institutions have caused bloodshed and slavery for the major part of two centuries. Any reasonable analysis places the blame fairly and squarely on the imperfections in its ideology and inherent voracity of its institutions. Yet, as the world seeks for alternative solutions to its ominous troubles, those with interests vested in the current secular world order are waging an unholy war against the agents of change on all fronts; ideological, cultural, political, economic, social and military.

The obvious and inescapable conclusion is that the Quran espouses an essential binary opposition of ideologies, announcing that confrontation between the two distinct groups is inevitable. It labels the proponents of 'Truth' Momin, Muslim, Muhsin, Mutaqi, Salih and Hizb-Allah and the adherents of 'falsehood' Mushrik, Kafir, Fasik, Zalim, Fajir, Munafiq and Hizb-as-Shaitan. It further pronounces that two Deens cannot co-exist **(Quran 8:39)** and concludes with the decree that the Deen of Allah is destined to triumph over all rivals **(Al-Tauba; 33)**. Fascinatingly, it expects its followers to use Allah's Word for waging a 'Mighty Jihad' against all rival thoughts and ideologies in Ayah **52** of Surah ***Al-Furqan*** or 'The Distinguisher'. Muslims are required hence, to rebut every deviant dogma, irrespective of its origin or apparent splendor. In Biblical terms, 'Whoever is not with me, is *against* me!' **(Mathew 12:30).**

Finally, it must be noted that Islam vehemently disproves a 'negotiated ideology' which could serve as 'middle ground'. Comparing it to hypocrisy, it repudiates the modern-day version of a 'politically-correct center' sitting in judgment over the 'extremes' and envisages its own ideological identity as 'the Truth'. The Quran refers to mankind as one family and warns that many a people from this family are heading for the hellfire. It is thus incumbent on all Muslims, in their respective capacities, to reach out with the uncompromised message of Allah in manners that fit the purpose. As for Muslim scholars, they need to revert to the Qur'an and the Sunnah as primary bases for religious exegesis. They must resort to contemporary ideologies as supplement only after rigorous scrutiny, thus ensuring that the foundations of Islam are not compromised.